حَسبُنَا کِتٰبُ اللہ

باب النکاح

رانا محمد عاشق

مکان نمبر 759 آئی ٹین ٹو اسلام آباد

مندرجات

عنوان

صفحہ نمبر

بِسۡمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحۡمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

پیش لفظ

باب ا لنکاح میں صرف ان مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے جو ہمارے ہاں غلط رنگ میں پیش کئے جاتے ہیں۔ مثلاً محرمات نکاح، کم عمری کی شادی، ایک سے زائد شادیاں اور ان کی شرائط، ازدواجی زندگی کی بنیادی ذمہ داریاں، مرد کا عورت پر حاکمیت کا تصور، عورت کی مالی آزادی، مہر اور جہیز کی نوعیت، نکاح متعہ کی حیثیت، لونڈیاں رکھنے کا جواز اور عدم جواز وغیرہ۔ ان مسائل کا صرف اور صرف قرآن اور سنت کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے۔ جو روایات قرآن سے ٹکراتی ہیں ان کو رد اور جو قرآن سے مطابقت رکھتی ہیں ان سے استفادہ کیا گیا ہے۔ یہ طریقہ کار ہو سکتا ہے اس روائیتی طبقہ فکر کو پسند نہ آئے جو قرآن کو روایات کے آئینے میں دیکھنے کا عادی ہے لیکن ان کا یہ اصول حضور ﷺ کے فرمان کہ روائتوں کو قرآن کے آئینے میں جانچو، سے مطابقت نہیں رکھتا ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ "تکثرلکم الاحادیث بعدی فما روی لکم حدیث عنی فاعرضوہ علٰی کتابُ اللہ فما وافقوہ فاقبلوہ وما خالفوہ فردوہ" یعنی میرے بعد حدیثوں کی بڑی کثرت ہو گی، اس لئے جو قول میری طرف منصوب کر کے تمہارے سامنے روایت کیا جائے اُس کو کتابُ اللہ کے سامنے پیش کرو، جو اُس کے موافق ہو اُس کو قبول کرو' جو کتابُ اللہ کے خلاف ہو اس کو رد کر دو۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی علیہم اجمعین کا عمل بھی یہی تھا کہ حَسْبُنَا کِتٰبُ اللہ یعنی ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ اس لئے روایات پسند طبقہ کے دلائل میں کوئی وزن نہیں ہے وہ صرف اپنی اجارہ داری کو قائم رکھنے کے لئے روایات سے اس طرح چمٹے ہوئے ہیں کہ گذشتہ دس بارہ صدیوں میں انہوں نے اسلام کا صحیح چہرہ مسخ کر کے رکھ دیا ہے جس سے ہم اندرونی خلفشار کا شکار بھی ہوئے اور اغیار کے سامنے ہمیں شرمسار بھی ہونا پڑا۔ قرآنی آیات کی تشریح اور ان سے استخراج اور ان کو تحریر کرنے میں کوئی غلطی سرزد ہو سکتی ہے ، کیونکہ انسان بہرحال غلطی کا پتلہ ہے۔ لیکن اپنی طرف سے اس معاملے میں نہایت غیر جانبداری اور خلوصِ نیت سے کام لیا گیا ہے اور آیات کو تحریر کرنے میں غایت درجے کی احتیاط برتی گئی ہے ،تاہم پھر بھی اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو اللہ تعالٰی سے درگزر کی امید ہے۔

خلاصہ باب ا لنکاح

نکاح مرد وزن کے درمیان ایک عمرانی معاہدے کا نام ہے جس میں دونوں کا رضامند ہونا لازمی ہوتا ہے اور اس کے لئے دونوں کا عاقل بالغ ہونا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اس لئے صغیر سنی کی شادی یا نکاح جائز نہیں ہے۔ نکاح کے محرمات میں سگی اور سوتیلی ماں، ساس، بہن، سگی اور سوتیلی بیٹی، بھتیجی، بھانجی، پھوپھی، خالہ، رضائی ماں، رضائی بہن، بیوہ یا مطلقہ بہو، ایک وقت میں دو بہنیں، شادی شدہ عورت (سوائے اس کے جو مسلمان ہو جائے مگر اس کا خاوند کافر یا مشرک ہو)، کافرہ یا مشرکہ عورت شامل ہیں۔ نکاح کے لئے مہر مرد کی طرف سے عورت کے لئے ایک تحفہ بھی ہے اور اللہ کی طرف سے ایک فریضہ بھی۔ جہیز ایک لعنت ہے خصوصاً جبکہ دلہاوالوں کی طرف سے اس کا مطالبہ کیا جائے۔

عام حالات میں ایک ہی عورت سے شادی کی اجازت ہے، مگر استثنائی طور پر چار تک شادیوں کی اجازت ہے۔ یہ استثناء بیواؤں اور ایسی عورتوں کے لئے ہے جن کی شادی نہ ہو رہی ہو۔ یا کوئی اور وجہ استثناء کی بن جائے جیسے پہلی عورت سے بچوں کا نہ ہونا۔ پھر بھی دو یا دو سے زیادہ نکاح کے لئے ضروری ہے کہ عدل قائم رکھا جائے اور مالی حالات اس کی اجازت دیتے ہوں اور پہلی عورت یا عورتوں کو اعتماد میں لیا جائے۔ اگر پہلی عورت یا عورتوں کو اعتماد میں نہیں لیا جائے گا تو عدل کی شرط کو کیسے پورا کیا جائے گا۔ اس صورت میں شادی نہیں دھوکا ہو گا جو اسلام میں تو کیا دنیا کے ہر مذہب میں حرام ہے۔ گھر کی حفاظت اور مالی ضروریات کی فراہمی مرد کی ذمہ داری ہے جبکہ بچوں کی پرورش اور گھر کو سنبھالنا عورت کی بنیادی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ خاوند کے والدین کی خدمت بھی عورت پر ایسے ہی واجب ہے جیسے اپنے والدین کی خدمت بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کیونکہ یہ بھی آخر کا ایک گھریلو ذمہ داری ہی ہے جس کا پورا کرنا عورت پر فرض ہے۔

نکاح متعہ قطعاً حرام اور زنا کے زمرے میں آتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں بھی اسے زنا ہی تصور کیا جاتا تھا اور نہ کبھی حضور ﷺ نے اس کی اجازت دی۔ ایسی تمام روایات جن میں متعہ کی اجازت کو حضرت محمد ﷺ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے سب وضعی اور منافقین عجم کا شاخسانہ ہیں اور یہ سب مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لئے گھڑی گئی تھیں۔ لونڈیوں کے بارے میں احکامات ایک ایسے عبوری دور کے لئے تھے جس میں پہلے سے لونڈیاں رکھنے کا عام رواج تھا۔ قرآن نے آکر اس قبیح رسم کا خاتمہ کیا اور آئندہ کے لئے غلامی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔ اب اسلام میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے کہ لونڈیاں رکھنے کے رواج کو دوبارہ سے زندہ کیا جائے۔ اب لونڈیاں رکھنے کا دور لد چکا۔

1۔ نکاح ایک معاہدہ ہے

نکاح کے لغوی معنٰی ملنے، ملانے یا جمع کرنے کے ہیں، ملنا بھی اس طرح کہ جیسے نیند آنکھوں میں گھل مل جاتی ہے یا بارش کا پانی زمین میں خوب اندر نمی تک جذب ہو جاتا ہے۔ ان مثالوں سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ مرد اور عورت کے نکاح سے کیا مراد ہے اور اس رشتے کی گہرائی کتنی ہے۔ گویا نکاح سے جو رشتہ یا تعلق بنتا ہے اس کی نوعیت ایسی ہے جیسا کہ آنکھوں میں نیند کا گھل مل جانا یا جیسے پانی کا زمین کے اندر مکمل طور پر جذب ہو جانا۔ ایسا تعلق عمر بھر کے لئے تبھی قائم رہ سکتا ہے جب میاں بیوی میں مکمل ہم آہنگی ہو، یعنی فکر و نظر؛ خیالات و تصورات؛ ذوق و مزاج اور نظریات و معتقدات کے لحاظ سے مکمل یک جہتی۔ اسی لئے اللہ تعالٰی نے مومنوں کو مشرکوں سے نکاح کرنے سے منع کر دیا ہے اور مرد و زن کی باہمی رضامندی کو نکاح کے لئے لازمی قرار دیا ہے۔

نکاح ایک ایسے عمرانی معاہدے کا نام ہے جو مرد و زن کے درمیان ان کی باہمی رضامندی سے طے پاتا ہے اور اگر کوئی ایک فریق اس پر رضامند ہی نہ ہو تو یہ معاہدہ زبردستی طے نہیں ہو سکتا۔ قرآن پاک صریح طور اس معاملے میں زبردستی کرنے سے منع فرماتا ہے۔ ارشادِ باری تعالٰی ہے، ''یٰاَیُّھَاا لَّذِینَ اٰمَنُوا لَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَرِثُواالنِّسَآءَ کَرْھًا'' (النّساء:19)۔ اے ایمان والو! تمہارے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ تم عورتوں کی مرضی کے خلاف زبردستی ان کے مالک بن جاؤ۔ نکاح کے دو مراحل ہوتے ہیں۔ پہلا مرحلہ منگنی کا ہوتا جسے انگریزی میں (Engagement) اور ہندی میں سگائی کہا جاتا ہے۔ عربی میں اس کے مترادف لفظ جو قرآن میں استعمال ہوا ہے وہ ہے خِطْبَہ کا ہے جس کا اردو میں ترجمہ پیغام کیا جاتا ہے۔ سورۃ البقرۃ میں ارشاد ہوتا ہے ''وَ لَا جُنَا حَ عَلَیْکُمْ فِیْمَاعَرَّ ضْتُمْ بِہٖ مِنْ خِطْبَۃِ النِّسَآءِ'' (البقرۃ:235)۔ ترجمہ: اور نہیں ہے کچھ گناہ تم پر اس بات میں کہ دو تم ان عورتوں کو پیغام نکاح۔ دوسرا مرحلہ نکاح کا ہوتا ہے جو جان پہچان کے لوگوں اور دو گواہوں کی موجودگی میں عمل میں لایا جاتا ہے، تاکہ لوگ اچھی طرح سے جان لیں کہ فلاں مرد اور فلاں عورت آج سے بحیثیتِ میاں بیوی کے زندگی بسر کریں گے۔ کم از کم دو گواہوں کی شرط سنتِ متواترہ سے ثابت ہے جس کی توثیق قرآنِ پاک اور احادیثِ صحیحہ سے بھی ہوتی ہے کیونکہ قرآن مجید نے نکاح کو شوہر اور بیوی کے درمیان ایک باہمی معاہدہ ہی قرار دیا ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 237 میں ''عُقْدَۃَ النِّکَا حِ'' میں نکاح کو عقد کہا گیا ہے۔ اور سورۃ النّساء کی آیت نمبر 21 میں نکاح کو ''مِیْثَاقًا غَلِیْظًا'' یعنی ایک پختہ عہد کہا گیا ہے۔ عقد ہو یا میثاق دونوں کا مطلب معاہدہ ہی

ہوتا ہے۔اور معاہدے کے لئے کم از کم دو گواہوں کا ہونا لازمی ہوتا ہے۔ معاہدہِ نکاح زبانی بھی طے ہو سکتا ہے جیسا کہ پاکستان میں عائلی قوانین کے نفاذ سے قبل ہوتا تھااور آج کل معاملات پیچیدہ ہونے کی وجہ سے اسے تحریری شکل میں بھی محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ قرآن نے بھی تحریری معاہدے کو ہی ترجیح دی ہے۔

نکاح کا بنیادی مقصد تو بقائے نسلِ ہی ہوتا ہے لیکن بقائے نسل کا سلسلہ تو کائنات کی تمام مخلوقات میں جاری و ساری ہے جہاں نکاح کی ضرورت ہی نہیں ہوتی، تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ نکاح کی شرط انسان کے لئے ہی کیوں رکھی گئی ہے ؟اسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے،اس لئے اس کے لئے نسب کی اہمیت رکھی گئی ہے جواس کی پہچان ہوتی ہے اور نسب بغیر نکاح کے محفوظ نہیں ہو سکتا۔فرمایا کہ ''یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا'' (الحجرات:13)۔ ترجمہ: اے انسانو! بے شک ہم نے پیدا کیا تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے، پھر بنایا ہم نے تم کو قومیں اور قبیلے تاکہ تم ایک دوسرے سے پہچانے جاؤ ۔ دوسرے یہ کہ باقی مخلوقات قوانینِ فطرت کے تحت بقائے نسل کا سلسلہ جاری رکھتی ہیں، جو ان قوانین سے انحرف کر ہی نہیں سکتیں۔ لیکن انسان چونکہ بااختیار پیدا کیا گیا ہے وہ معاشرتی زندگی میں فطرت کے قوانین کا پابند نہیں رہ سکتا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے معاہدہِ نکاح کے ذریعے سے ایک قانون کا پابند بنایا، ورنہ معاشرے میں سوائے فساد اور انتشار کے کچھ نہ ہوتا۔اس کے علاوہ انسانوں میں رشتوں کا ایک تقدس ہوتا ہے اور تمام انسانی معاشرے اس تقدس کا خیال رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان مقدس رشتوں کی حرمت بڑی تفصیل سے بیان کر دی ہے۔اسی معاہدۂ نکاح کی رو سے دونوں فریق اپنی اپنی ذمہ داریاں عمر بھر نبھانے کا عہد بھی کرتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ یہ کبھی ختم ہی نہیں ہو سکتا۔ معاہدہ ہو جانے کے بعد اگر کبھی ایک فریق یا دونوں فریق اس معاہدے کو ختم کرنا چاہیں تو یہ ختم بھی ہو سکتا ہے لیکن اس کا ایک طریقِ کار ہوتا ہے جسے طلاق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں عموماً طلاق مرد ہی کی طرف سے ہوتی ہے لیکن اسلام نے عورت کو بھی یہ حق دیا ہے کہ اگر وہ یہ دیکھے کہ اسکا شوہر کے ساتھ نبھا نہیں ہو سکتا تو وہ بھی طلاق کا مطالبہ کر سکتی ہے جسے خلع کہا جاتا ہے۔

2۔ محرماتِ نکاح

زمانہ جاہلیت میں کسی تحدید کے بغیر متعدد بیویاں رکھنا ایک معروف سی بات تھی۔ لوگ ایسی دو عورتیں بھی بیک وقت نکاح میں رکھ لیتے تھے جو آپس میں سگی بہنیں ہوتی تھیں۔ باپ کے طلاق دینے یا وفات پانے کے بعد بیٹا اپنی سوتیلی ماں سے بھی نکاح کرلیتا تھا۔ قرآن پاک نے آکر رشتوں کا تقدس قائم کیا۔ اور ایک پوری تفصیل ان رشتوں کی بیان کردی جن سے نکاح نہیں ہو سکتا ۔ایسے رشتے جو نکاح کے سلسلہ میں مقدس مانے جاتے ہیں اور جن کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا وہ رشتے قرآنی اصطلاح میں محرمات کہلاتے ہیں۔ شائد مختلف زمانوں اور معاشروں میں ان میں تھوڑا بہت اختلاف پایا جاتا ہو، مثلاً ہندوؤں کے ہاں چچازاد، خالہ زاد، ماموں زاد اور پھوپھی زاد یعنی First cousins کے ساتھ شادی ایک جرم ہے، لیکن اسلام نے ان رشتوں کو حلال قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نکاح کے لئے رشتوں کی حرمت پوری تفصیل کے ساتھ سورۃ النّساء میں بیان کی ہے۔ ان میں مندرجہ ذیل رشتے نکاح کے لئے حرام کئے گئے ہیں۔ (1) سوتیلی ماں (2) سگی ماں، (3) بیٹی، (4) بہن، (5) پھوپھی، (6) خالہ، (7) بھتیجی، (8) بھانجی، (9) رضاعی ماں، (10) رضاعی بہن، (11) ساس، (12) اس بیوی کی بیٹی جس سے تم مباشرت کر چکے جو دوسرے خاوند سے ہو، (13) صلبی بیٹے کی بیوی، (14) دو بہنیں ایک وقت میں، (15) تمام شوہر دار عورتیں بجز ان لونڈیوں کے جو تمہاری ملکیت میں آچکیں یا تمام پاک دامن عورتیں بجز ان کے جو تمہارے نکاح میں آچکیں۔

مندرجہ بالا مقدس رشتوں کی حرمت کے بارے میں ذیل میں تین قرآنی آیاتِ بمعہ ترجمہ درج کی جارہی ہیں۔

(1) ''وَلَاتَنْكِحُوا مَانَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَاقَدْ سَلَفَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۚ وَسَآءَ سَبِيْلًا'' (النساء:22)۔

ترجمہ: اور نہ نکاح کرو تم ان سے کہ نکاح کر چکے ہوں تمہارے باپ ان عورتوں سے مگر جو کچھ پہلے ہو چکا (سو ہو چکا)، بے شک یہ تھی کھلی بے حیائی اور قابل نفرت کام، اور بہت ہی بری راہ۔ اس آیت کی رو سے بعض لوگ اٰبَآؤُكُمْ میں چچا اور ماموں کو بھی شامل کرتے ہیں اور اس کے لئے وہ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 133 کا حوالہ دیتے ہیں جہاں پر اٰبَا میں باپ (اسحاق علیہ السلام) اور دادا (حضرت ابراہم علیہ السلام) کے ساتھ چچا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ لیکن جمہور کا خیال یہی ہے کہ یہاں پر اٰبَا سے مراد وہی باپ دادا ہیں جن کی صُلب سے بیٹا ہو۔ چونکہ بھتیجا اپنے چچا کا اور بھانجا اپنے ماموں کا صلبی بیٹا نہیں ہوتا اسلئے ان پر نکاح کے معاملے میں اٰبَا کے وہ معنی نہیں لئے جائیں گے جو سورۃ البقرہ کی مذکورہ آیت میں لئے گئے ہیں۔ چچا یا ماموں کو احتراماً یا رواجاً باپ

کہہ دینے سے وہ قانونی طور باپ نہیں ہو جاتے۔ قانونی طور پر باپ وہی ہو گا جسکے صُلب سے بیٹا پیدا ہو گا۔ اگر احترام اور رواج کی وجہ سے چچا اور ماموں قانونی باپ بن سکتے ہوں تو پھر تو وراثت میں بھی انکا حصہ اسی طرح ہونا چاہیئے جس طرح باپ کا ہوتا ہے کیونکہ وہاں پر بھی **اَبُو** ہی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ دوسری آیت حرمت کے رشتوں کے بارے میں یہ ہے۔

(2) "**حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمۡ اُمَّهٰتُكُمۡ وَبَنٰتُكُمۡ وَاَخَوٰتُكُمۡ وَعَمّٰتُكُمۡ وَخٰلٰتُكُمۡ وَبَنٰتُ الۡاَخِ وَبَنٰتُ الۡاُخۡتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِىۡۤ اَرۡضَعۡنَكُمۡ وَاَخَوٰتُكُمۡ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمۡ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِىۡ فِىۡ حُجُوۡرِكُمۡ مِّنۡ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِىۡ دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ فَاِنۡ لَّمۡ تَكُوۡنُوۡا دَخَلۡتُمۡ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ وَحَلَآئِلُ اَبۡنَآئِكُمُ الَّذِيۡنَ مِنۡ اَصۡلَابِكُمۡ وَاَنۡ تَجۡمَعُوۡا بَيۡنَ الۡاُخۡتَيۡنِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا**" (النّساء:23)۔ ترجمہ: حرام کر دی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں، اور تمہاری بیٹیاں، اور تمہاری بہنیں، اور تمہاری پھوپھیاں، اور تمہاری خالائیں، اور تمہاری بھتیجیاں، اور تمہاری بھانجیاں، اور وہ مائیں جنہوں نے دودھ پلایا تمہیں، اور بہنیں تمہاری دودھ شریک، اور مائیں تمہاری بیبیوں کی، اور وہ لڑکیاں جو پل رہی ہوں تمہارے گھروں میں جو اولاد ہوں تمہاری ان بیویوں کی جن سے تم مباشرت کر چکے ہو لیکن اگر نہ کی ہو مباشرت تم نے ان سے تو نہیں ہے کوئی گناہ تم پر (ان لڑکیوں سے نکاح کرنے پر)، اور بیویاں تمہارے ان بیٹوں کی جو تمہارے صُلب سے ہوں، اور (حرام کیا گیا ہے) یہ بھی کہ جمع کرو دو بہنوں کو (بیک وقت نکاح میں) مگر جو کچھ پہلے ہو چکا (سو ہو چکا)، بے شک اللہ ہے معاف کرنے والا، ہر حال میں رحم فرمانے والا۔ تیسری آیت اس سلسلہ کی یہ ہے۔

(3) "**وَالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَاُحِلَّ لَكُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمۡ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ مُّحۡصِنِيۡنَ غَيۡرَ مُسٰفِحِيۡنَ فَمَا اسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِهٖ مِنۡهُنَّ فَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ فَرِيۡضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِيۡمَا تَرٰضَيۡتُمۡ بِهٖ مِنۡۢ بَعۡدِ الۡفَرِيۡضَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا**" (النّساء:24)۔ ترجمہ: اور (حرام کی گئی ہیں تم پر) شوہر والی عورتیں مگر وہ جو (جنگ میں قید ہو کر) تمہاری ملکیت میں آچکیں، یہ قانون ہے اللہ کا (جس کی پابندی لازم ہے) تم پر، اور حلال ہیں تمہارے لئے وہ (عورتیں) جو علاوہ ہیں انکے، اس طرح کہ حاصل کرو انکو اپنے مال خرچ کر کے، نکاح میں لانے کے لئے نہ کہ بدکاری کی خاطر، پھر جو تم فائدہ حاصل کرو ان عورتوں میں کسی سے تو ادا کرو ان کو ان کے مہر بطورِ فریضہ کے، اور نہیں ہے کچھ گناہ تم پر کسی (سمجھوتے) میں جو باہمی رضامندی سے طے پا جائے، بعد مہر مقرر کرنے کے، بے شک اللہ ہے ہر بات جاننے والا، بڑی حکمت والا۔

فقہا کرام نے مندرجہ بالا رشتوں کی تشریح کرتے ہوئے مزید یوں استخراج کیا ہے۔

1۔ سوتیلی ماں میں وہ عورتیں بھی شامل ہونگی جن سے باپ کے علاوہ دادا، پڑدادوں اور نانا، پڑنانوں نے نکاح کیاہو۔

2۔ سگی ماں میں اپنی ماں کے علاوہ باپ، دادا، پڑدادوں اور نانا، پڑنانوں کی مائیں بھی شامل ہیں۔

3۔ بیٹی میں پوتی، پڑپوتیاں اور نواسی، پڑنواسیاں سب شامل ہیں۔

4۔ بہن میں عینی (ماں باپ شریک)، علاتی (باپ شریک) اور اخیافی (ماں شریک) سب بہنیں شامل ہیں۔

5۔ پھوپھی میں بھی باپ کی عینی، علاتی اور اخیافی تینوں قسم کی بہنیں شامل ہیں۔

6۔ خالہ میں بھی ماں کی عینی، علاتی اور اخیافی تینوں قسم کی بہنیں شامل ہیں۔

7۔ بھتیجی میں بھائی کی بیٹی، پوتی، پڑپوتیاں اور نواسی، پڑنواسیاں سب شامل ہیں۔

8۔ بھانجی میں بہن کی بیٹی، پوتی، پڑپوتیاں اور نواسی، پڑنواسیاں سب شامل ہیں۔

9تا10۔ رضائی ماں وہ ماں تصور ہوگی جس نے دوسال یا کچھ کے مطابق اڑھائی سال کی عمر تک کے بچے کو بطورِ خوراک ایک دفعہ بھی دودھ پلایا ہو۔ رضاعی بہن میں وہ بہن شامل ہے جو دودھ پینے کی وجہ سے بہن ہے۔ گو یہ دودھ مختلف اوقات میں پیا گیا ہو اور چاہے ایک بار ہی پیا گیا ہو، تاہم رضاعت کی عمر اور بطورِ خوراک دودھ پینے کی شرط کا ہونا ضروری ہے۔ جو رشتے ولادت کی وجہ سے حرام ہیں وہی رشتے رضاعت کی وجہ سے بھی حرام قرار دئے گئے ہیں۔

11۔ بیویوں کی ماؤں میں، بیویوں کی نانیاں اور دادیاں نسبی لحاظ سے ہوں یا رضاعی لحاظ سے سب شامل ہیں۔

12۔اس بیوی (جس کے ساتھ مباشرت ہو چکی ہو) کی بیٹی میں بیٹی کی بیٹی، پوتی، پڑپوتیاں اور نواسی، پڑنواسیاں سب شامل ہیں۔

13۔ان بیٹوں کی بیویاں (بیوہ یا مطلقہ) جو بیٹے ان کے صُلب سے ہوں کہنے کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ انکے علاوہ وہ بیٹے جو منہ بولے یا لے پالک ہوں ان کی بیوہ یا مطلقہ بیویوں سے نکاح کی اجازت ہے۔

14۔ دو بہنیں ایک وقت میں ایک شخص کے نکاح میں نہیں آ سکتیں۔ اسکا اطلاق ان دو عورتوں پر بھی ہو گا جن میں سے اگر ایک مرد ہوتا تو وہ آپس میں محرم ہوتے یعنی ان کو آپس میں نکاح کی اجازت نہ ہوتی، جیسے پھوپھی بھتیجی یا خالہ بھانجی وغیرہ۔

15۔ تمام شوہر دار عورتیں یعنی جو پہلے ہی کسی کے نکاح ہوں ان سے بھی نکاح کرنا حرام ہے۔ لیکن شوہر دار عورتوں میں دو استثناء دیئے گئے ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:

پہلا استثناء تو مندرجہ بالا سورۃ النّساء کی آیت نمبر 24 میں ہی دے دیا گیا ہے۔ یعنی کوئی شادی شدہ عورت اگر ملکیت میں آجائے، جس کی صورت یہ ہوگی کہ مسلمانوں نے دارالحرب میں کافروں سے جہاد کیا اور وہاں سے کچھ عورتوں کو قید کر کے لے آئے۔ ان عورتوں میں سے جو عورتیں دارالاسلام میں لائی گئیں اور انکے شوہر دارالحرب میں رہ گئے تو ان عورتوں کا نکاح دارالسلام میں آنے سے انکے سابقہ شوہروں سے ختم ہو گیا۔ اب یہ عورت اگر کتابیہ یا مسلمہ ہے تو اس سے دارالاسلام کا کوئی بھی مرد نکاح کر سکتا ہے (معارف القرآن از مولانا محمد شفیع عثمانی مفتی اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ)۔ یہ تو تھی شوہر دار عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی پہلی استثناء۔ لیکن اب یہ استثناء غیر موثر ہو چکی ہے کیونکہ اب باندی بنانے کا جواز باقی نہیں رہا جس کا ذکر بعد میں تفصیل کے ساتھ آئے گا۔

دوسرے استثناء کا ذکر سورۃ الممتحنہ میں آیا ہے جس میں اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ وہ عورتیں جن کے شوہر کافر تھے اور وہ مسلمان ہو گئیں یا اب بھی ایسی صورتِ حال پیدا ہو جائے کہ بیوی مسلمان ہو جائے اور شوہر کافر ہی رہے تو ایسی مومنہ عورت کو کافر خاوند کی طرف نہ لوٹایا جائے، بلکہ اسکا مہر اس کے کافر خاوند کو واپس لوٹا کر عدت گذرنے کے بعد کوئی بھی مسلمان اس سے نکاح کر لے۔ سورہ الممتحنہ کی وہ آیت یہ ہے۔

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَاۗءَکُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُھٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْھُنَّ، اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِھِنَّ، فَاِنْ عَلِمْتُمُوْھُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْھُنَّ اِلَی الْکُفَّارِ، لَا ھُنَّ حِلٌّ لَّھُمْ وَلَا ھُمْ یَحِلُّوْنَ لَھُنَّ، وَاٰتُوْھُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا، وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ اَنْ تَنْکِحُوْھُنَّ اِذَآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ وَلَا تُمْسِکُوْا بِعِصَمِ الْکَوَافِرِ وَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْیَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا، ذٰلِکُمْ حُکْمُ اللّٰہِ، یَحْکُمُ بَیْنَکُمْ، وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ" (الممتحنہ: 10)۔ ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب آئیں تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے تو ان کی خوب جانچ پڑتال کر لو، اللہ بہتر جانتا ہے انکے ایمان کو پس اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ ایمان والی ہیں تو نہ واپس کرو تم ان کو کافروں کی طرف،

نہ وہ عورتیں حلال ہیں ان کافروں کے لئے اور نہ وہ کافر مرد حلال ہیں ان عورتوں کے لئے، اور دے دو تم ان کافروں کو جو مہر انہوں نے ادا کئے تھے، اور نہیں ہے کچھ گناہ تم پر اس میں کہ نکاح کرلو تم ان سے بشرطیکہ ادا کرو تم ان کو مہر ان کے اور مت روکے رکھو (اپنی زوجیت میں) کافر بیویوں کو اور مانگ لو جو (مہر) تم نے دیے تھے اور چاہیے کہ کافر بھی مانگ لیں وہ مہر جو انہوں نے ادا کئے تھے، یہ اللہ کا حکم ہے، جس کے مطابق وہ فیصلہ کررہا ہے تمہارے درمیان، اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے۔ یہ صورت حال آج کے دور میں بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ اگر شوہر کافر رہے مگر بیوی مسلمان ہو جائے تو اوپر دیئے ہوئے طریقہ کے مطابق وہ مومن مرد سے شادی کر سکتی ہے۔

16۔ سورہ الممتحنہ کی اوپر والی آیت نمبر 10 میں ایک بات اور بتائی گئی ہے کہ مومنہ عورت کا کافر مرد سے اور مومن مرد کا کافرہ عورت سے نکاح جائز نہیں ہے۔

17۔ اسی طرح مومنہ عورت کا مشرک مرد سے اور مومن مرد کا مشرکہ عورت سے بھی نکاح جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ البقرہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ "وَلَا تَنْکِحُوا الْمُشْرِکٰتِ حَتّٰی یُؤْمِنَّ، وَلَاَمَۃٌ مُّؤْمِنَۃٌ خَیرٌ مِّنْ مُّشْرِکَۃٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْکُمْ، وَلَا تُنْکِحُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَتّٰی یُؤْمِنُوا، وَلَعَبْدٌ مُّومِنٌ خَیرٌ مِّنْ مُّشْرِکٍ وَّلَوْ اَعْجَبَکُمْ، اُولٰٓئِکَ یَدْعُوْنَ اِلَی النَّارِ، وَاللّٰہُ یَدْعُوْٓا اِلَی الْجَنَّۃِ وَالْمَغْفِرَۃِ بِاِذْنِہٖ، وَیُبَیِّنُ اٰیٰتِہٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ۔" (البقرۃ: 221)۔ ترجمہ: اور نہ نکاح کرنا تم مشرکہ عورتوں سے جب تک کہ نہ ایمان لے آئیں وہ، اور البتہ ایک مومن لونڈی کہیں بہتر ہے مشرکہ عورت سے اگرچہ وہ بہت پسند ہو تمہیں، اور نہ نکاح کرانا تم (اپنی عورتوں کا) مشرک مردوں سے جب تک کہ نہ ایمان لے آئیں وہ، اور البتہ ایک مومن غلام کہیں بہتر ہے مشرک مرد سے اگرچہ وہ بہت پسند ہو تمہیں، یہ (مشرک) بلاتے ہیں دوزخ کی طرف اور اللہ بلاتا ہے جنت اور مغفرت کی طرف اپنے اذن سے، اور کھول کھول کر بیان کرتا ہے اپنے احکام لوگوں کے لئے تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔

اوپر بیان کردہ پہلے چودہ (14) رشتے بمع ان سب استخراجی رشتوں کے جن کا ذکر اوپر ہو چکا تقدس کی وجہ سے حرام ہیں۔ پندرواں رشتہ یعنی شوہر دار عورتیں بھی بحیثیت عورت (چاہے وہ مومنہ ہوں یا غیر مومنہ) کے تقدس کے ہی حرام ہیں، مگر یہاں پر دو استثناء ان عورتوں کی عزت و توقیر بڑھانے کے لئے اور انکو تحفظ فراہم کرنے کی غرض دئے گئے ہیں۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہوئے کیونکہ مومنہ عورت کسی غیر مومن مرد کے لئے حلال ہی نہیں، جنکا ذکر شق نمبر (16) اور (17) کے تحت اوپر کیا جاچکا ہے۔

سورۃالنّورمیں ایک اور بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ’’اَلزَّانِی لَا یَنۡکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَو مُشرِکَۃً وَ الزَّانِیَۃُ لَا یَنۡکِحُھَا اِلَّا زَانٍ اَو مُشرِکٌ وَ حُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الۡمُومِنِیۡنَ۔‘‘ (النّور:3)۔ترجمہ:زانی نہیں نکاح کرتا(یا کرے گا) مگر زانیہ یا مشرکہ سے،اور زانیہ نہیں نکاح کرتی(یا کرے گی) مگر زانی یا مشرک سے،اور حرام کیا گیا ہے یہ اوپر ایمان والوں کے۔کچھ لوگ اس آیت کی رو سے زانی یا زانیہ سے بھی نکاح کو حرام سمجھتے ہیں، مگر در حقیقت یہ آیت نکاح کی حرمت کے بارے میں نہیں ہے کیونکہ یہاں بجائے امر کے صیغہ کے مضارع کا صیغہ استعمال ہوا ہے، جسکا مطلب یہ ہے کہ کوئی مومن مرد کسی زانیہ یا مشرکہ عورت سے شادی نہیں کرتااور نہ ہی وہ اس سے شادی کرنا پسند کرے گا۔یہی معاملہ مومنہ عورت کا بھی ہوگا کہ وہ بھی کسی زانی یا مشرک مرد سے شادی نہیں کرتی اور نہ ہی وہ اس سے شادی کرنا پسند کرے گی۔آیت کا سیاق وسباق بھی یہی بتارہا ہے کہ لوگوں نے جس عورت پر زنا کی تہمت لگائی وہ دنیا کے ایک ایسے نیک ترین اور افضل ترین شخص کی بیوی ہے جس کی عصمت کی قسم دشمن بھی کھاتے ہیں اور اللہ نے اس کو دنیا کے تمام انسانوں پر شرف بخشا ہے، بھلا کیا ایسا شخص ایک زانیہ سے شادی کرے گا۔یہ خاص طور پر ان مومنین کے لئے ایک سرزنش تھی جو اس بارے میں منافقین کے پراپیگنڈہ سے شک میں پڑ گئے تھے کہ تم نے ایسا گمان ہی کیوں کیا۔

ہاں البتہ اس آیت کا آخری جملہ ’’وَ حُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الۡمُومِنِیۡنَ‘‘ قابل غور ہے۔حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ اس بارے میں جو ارشاد فرماتے ہیں وہ مختصراً یوں ہے: بعض مفسرین نے ذٰلِکَ کا اشارہ زنا کی طرف قرار دیا ہے،اس طرح اس کے معنی یہ ہونگے کہ زنا مومنین پر حرام ہے۔کچھ دوسرے مفسرین نے ذٰلِکَ کا اشارہ نکاحِ زانی وزانیہ اور نکاحِ مشرک ومشرکہ کی طرف قرار دیا ہے۔اس صورت میں مشرک کا مومنہ سے اور مومن کا مشرکہ سے نکاح کا حرام ہونا تو دوسری نصوصِ قرآنی سے بھی ثابت ہے اور جس کا ذکر اوپر شق نمبر 17 میں بھی کیا جاچکا۔رہا زانی مرد سے پاکدامن عورت کے نکاح یا زانیہ عورت سے عفیف مرد کے نکاح کا مسئلہ تو اس جملے کا اطلاق اس صورت میں ہوگا کہ اگر عفیف مرد زانیہ عورت سے نکاح کرکے اس کو زنا سے نہ روکے بلکہ نکاح کے بعد بھی اس کی زناکاری پر راضی رہے کیونکہ اس صورت میں دیوثیت ہوگی جو شرعاً حرام ہے۔اسی طرح اگر کوئی شریف پاکدامن عورت کسی زنا کے خوگر مرد سے نکاح کے بعد بھی اس کی زناکاری پر راضی رہے یہ بھی حرام ہے۔یعنی ان لوگوں کا یہ فعل حرام (گناہ کبیرہ) ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا باہمی نکاح صحیح نہ رہے اور یہ باطل ہو جائے۔

3۔یَتٰمٰی النِّسَاء کا نکاح اور تحفّظ

لغوی طور پر عربی میں یتیم کے معنی تنہا کے ہیں۔اہلِ لغت کے نزدیک ہر منفرد اور تنہا چیز یتیم کہلاتی ہے۔ مثلاً دُرَّۃٌ یَتِیۡمَۃٌ اس موتی کو کہتے ہیں جو اپنی نوعیت کا ایک ہی ہو۔ بن باپ کے بچے کو بھی اسی لئے یتیم کہتے ہیں کہ وہ اکیلا رہ جاتا ہے۔ لسان العرب میں ہے کہ یتیم اس عورت کو بھی کہتے ہیں جس کا خاوند نہ ہو یعنی خاوند مر چکا ہو یا اسے طلاق ہو چکی ہو یا ویسے ہی خاوند نہ ہو یعنی کسی وجہ سے اس کی شادی نہ ہو رہی ہو اور تجرد کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جیسے اَیَامٰی۔اَیَامٰی اگر عورت ہو تو وہ یَتٰمٰی عورتوں کی ہی ایک قسم ہوتی ہے۔یَتٰمٰی النِّسَاء ِ (النّساء:127) کا لفظ بھی ایسی ہی عورتوں کے لئے آیا ہے۔یَتٰمٰی میں بے شک یتیم بچے بھی شامل ہوتے ہیں مگر جب خصوصیت کے ساتھ ان کا ذکر نکاح کے حوالے سے کیا جا رہا ہو اور اس سلسلہ میں چار تک نکاح کی اجازت بھی اللہ تعالیٰ دے رہے ہو تو اس میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ یہاں پر یَتٰمٰی سے مراد وہ بے شوہر عورتیں ہی ہوں گی جن کا ذکر اوپر کیا جا چکا۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ قرآنِ کریم نے ایسی عورتوں کے بارے میں کیا احکامات دیئے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ایسی بے شوہر عورتوں کے تحفظ کے لئے (یا اس وقت کے خصوصی حالات کی بنا پر ان عورتوں اور ان کے بچوں کے تحفظ کے لئے جن کے خاوند بڑی تعداد میں جنگ احد یا دوسرے جنگی معرکوں میں شہید ہو چکے تھے) فرمایا ”وَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِی الۡیَتٰمٰی فَانۡکِحُوۡا مَا طَابَ لَکُمۡ مِّنَ النِّسَآءِ مَثۡنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ، “ (النّساء:3)۔اگر اندیشہ ہو تم کو کہ نہ انصاف کر سکو تم یتیموں کے بارے میں (یعنی کہ تم بیوہ عورتوں اور ان کے بچوں کو سہارہ نہ دے سکو گے) تو پھر ان بیواؤں میں سے جو تم کو پسند آئیں ان سے نکاح کر لو دو دو، تین تین اور چار چار۔یہ جو دو دو، تین تین اور چار چار شادیوں کی اجازت دی گئی ہے وہ اسلئے کہ لوگ بیواؤں اور انکے یتیم بچوں کا سہارہ بنیں اور پھر اس بات کی سختی کے ساتھ تاکید کی گئی، کہ دیکھو نکاح کرنے کے بعد بیواؤں سے تم نے بے اعتنائی نہیں برتنی۔ان کے ساتھ پورا پورا عدل کرنا ہے اور اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ تم ان کے ساتھ عدل نہیں کر سکو گے تو پھر تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ تم ان کے ساتھ شادی نہ کرو اور جو تمہاری پہلی بیوی ہے اسی کے حقوق پورے کرتے رہو اس لئے آگے اسی آیت میں ارشاد فرمایا کہ ”فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَۃً اَوۡ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ، ذٰلِکَ اَدۡنٰۤی اَلَّا تَعُوۡلُوۡا۔“ یعنی پھر اگر تم کو اندیشہ ہو کہ تم عدل نہیں کر

سکوگے تو بس ایک (ہی کافی ہے) یا پھر وہ جو تمہاری ملک میں آچکی ہے یعنی لونڈی۔ یہ زیادہ قریب ہے اس کے کہ تم ناانصافی سے بچ جاؤ۔

زمانہ جاہلیت میں اہلِ عرب عموماً عورتوں کو طلاق دیکر یا تو گھر سے نکال دیتے تھے یا گھر میں معلقہ قیدی بنا کر رکھتے تھے۔ نہ خود اس سے ازدواجی تعلق قائم رکھتے تھے اور نہ کسی اور سے اسے ازدواجی رشتہ قائم کرنے دیتے تھے۔ اگر وہ کسی بااثر قبیلے والی ہوتی تھی تو اس کے قبیلے والے آکر اسے لے جاتے تھے ورنہ وہ غریب یونہی زندہ درگور پڑی رہتی تھی۔ عورت کے لئے کوئی عدت نہ تھی اور نہ کوئی بتا سکتا ہے کہ اگر عدت تھی تو وہ کس حساب سے تھی۔ قرآن پاک نے مطلقہ عورتوں کو نکاح کرنے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ مردوں کو بھی روکا کہ وہ ان کے نکاح کرنے میں روڑے نہ اٹکائیں۔ ارشاد ہے کہ ''وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ اَنْ یَّنْکِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوا بَیْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ'' (البقرۃ:232)۔ ترجمہ: اور جب طلاق دے دو تم عورتوں کو، پھر پوری کر لیں وہ اپنی عدت تو مت روکو انہیں اس سے کہ نکاح کر لیں وہ اپنے (سابقہ یا ہونے والے) شوہروں سے۔ جبکہ راضی ہوں وہ دونوں باہم (نکاح کرنے پر) معروف طریقے سے۔ جہاں تک عدت کا مسئلہ ہے اس بارے میں بڑے واضح احکامات دیے جن کا ذکر باب الطّلاق میں کیا جائے گا۔

مزید بیوہ عورتوں کو تحفظ دینے کے لئے فرمایا ''وَیَسْتَفْتُونَکَ فِی النِّسَاءِ قُلِ اللّٰهُ یُفْتِیکُمْ فِیهِنَّ وَمَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ فِی الْکِتَابِ فِی یَتٰمَی النِّسَاءِ الّٰتِی لَا تُؤْتُونَهُنَّ مَا کُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُونَ اَنْ تَنْکِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِینَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَاَنْ تَقُومُوا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِهٖ عَلِیماً'' (النّساء:127)۔ ترجمہ: اور فتویٰ پوچھتے ہیں تم سے عورتوں کے بارے میں، کہو اللہ فتویٰ دیتا ہے تم کو ان کے بارے میں اور (متوجہ کرتا ہے) اس طرف جو تلاوت کیا گیا ہے تم پر کتاب میں ان بیوہ عورتوں کے بارے میں جن کو نہیں دیتے تم وہ حق جو مقرر کیا گیا ہے ان کے لئے اور چاہتے ہو تم کہ ان سے نکاح کر لو اور (متوجہ کرتا ہے) تم کو ان کمزور و ناتواں بچوں کی طرف یہ کہ قائم رہو تم یتیموں کے بارے میں انصاف پر، اور جو کرو گے تم کوئی بھی بھلائی تو بے شک اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

بیواؤں کے تحفظ کے لئے وراثت میں انکو عقدی وارث ٹھہرایا گیا۔ اولاد ہونے کی صورت میں اس کے متوفی شوہر کی جائداد میں سے آٹھواں حصہ اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں چوتھا حصہ مقرر کیا گیا۔ اس کے علاوہ متوفی خاوند کو اس کے بارے میں بھی

پابند بنایا گیا کہ وہ اس بات کی وصیت کرے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے باقی وارث اس کو ایک سال تک نان ونفقہ بھی دیں گے اور اس کو اس گھر سے نہیں نکالیں گے جس میں وہ خاوند کی زندگی میں رہائش پذیر تھی۔ فرمایا کہ ''وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا، وَّصِیَّۃً لِّاَزْوَاجِھِمْ مَّتَاعًا اِلَی الْحَوْلِ غَیْرَ اِخْرَاجٍ، فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْمَا فَعَلْنَ فِیْٓ اَنْفُسِھِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ، وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ'' (البقرۃ:240)۔ ترجمہ: اور جو لوگ وفات پا جائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں بیویاں (لازم ہے ان پر) وصیت کرنا اپنی بیویوں کے لئے نان ونفقہ کی ایک برس تک بغیر گھر سے نکالے، پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو کچھ گناہ نہیں تم پر اس میں جو وہ کریں اپنی ذات کے بارے میں کوئی جائز اقدام، اور اللہ سب پر غالب بڑی حکمت والا ہے۔

اگر مرد نے عورت کو طلاق دے دی تو حکم ہے کہ عورت کو گھر سے نہ نکالو اور اسے تنگ مت کرو۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ ''اَسْکِنُوْھُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِکُمْ وَلَا تُضَآرُّوْھُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْھِنَّ'' (الطلاق:7)۔ ترجمہ: رکھو تم ان (مطلقہ) عورتوں کو اسی جگہ جہاں تم خود رہتے ہو جیسی بھی جگہ تمہیں میسر ہو اور نہ ستاؤ تم انہیں تنگ کرنے کیلئے۔ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو بچہ پیدا ہونے تک ان پر خرچ کرو اور اس کے بعد اگر ان سے ہی بچے کو دودھ پلوانا چاہو تو اس کی بھی اجرت ان کو دو۔ ارشاد فرمایا کہ ''وَاِنْ کُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَیْھِنَّ حَتّٰی یَضَعْنَ حَمْلَھُنَّ، فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَکُمْ فَاٰتُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ، وَاْتَمِرُوْا بَیْنَکُمْ بِمَعْرُوْفٍ، وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَہٗٓ اُخْرٰی'' (الطلاق:6)۔ ترجمہ: اور اگر ہوں وہ حاملہ تو خرچ کرتے رہو تم ان پر یہاں تک کہ ان کے ہاں بچہ ہو جائے، پھر اگر وہ دودھ پلائیں تمہارے لئے (بچے کو) تو دو تم انہیں ان کی اجرت اور (اجرت کا) معاملہ طے کرو مشورے سے آپس میں بھلے طریقے سے اور اگر تم نے ایک دوسرے کو تنگ کیا تو دودھ پلائے گی اس کو کوئی اور عورت۔ یعنی طلاق کے بعد بھی عدت پوری ہونے تک عورت کو اپنے پاس اپنے مکان میں رکھنا ہے اور اس کا خرچہ اپنی حیثیت کے مطابق پورا کرنا بھی مرد کی ذمہ داری ہے۔ اور اگر عورت حاملہ ہو تو وضع حمل تک اس ذمہ داری کو نبھانا ہے اور اس کی ساری نان ونفقہ کی ضروریات کو پورا کرنا ہے۔ تو پھر بچہ جننے کے بعد اگر وہ دودھ پلانا چاہے تو اس کو اس کی اجرت بھی دینی ہوگی۔ بصورتِ دیگر کوئی اور عورت اس کام کے لئے رکھ لی جائے جس کی اجرت بچے کا باپ ادا کرے گا۔

سورہ النور میں فرمایا جارہا ہے کہ اگر معاشرے میں ایسے لوگ، مرد یا عورتیں جو تجرد کی زندگی بسر کر رہے ہوں اور کسی بھی وجہ سے انکی شادی نہ ہو رہی ہو تو تم اس کار خیر میں حصہ لو اور ان کے نکاح کرانے میں سہولت کاری کا کردار ادا کرو۔ چاہے ایسے افراد

آزاد معاشرے کے افراد ہوں، چاہے وہ غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوں جیسے غلام اور لونڈیاں جو آزاد نہ ہونے کی وجہ سے شادی نہ کر سکتے ہوں تو ان کے نکاح کراؤ۔ فرمایا کہ "وَاَنْکِحُوا الْاَیَامٰی مِنْکُم وَالصَّالِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ وَاِمَآئِکُمْ، اِنْ یَّکُونُوا فُقَرَآءَ یُغْنِہِمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیمٌ۔" (النور:32)۔ ترجمہ: اور نکاح کردیا کرو مجرد مرد اور عورتوں کا جو تم میں سے ہوں (یعنی جو آزاد ہوں) اور اپنے باصلاحیت غلاموں اور لونڈیوں کا، اگر ہوں گے یہ مفلس تو غنی کردے گا ان کو اللہ اپنے فضل سے، اور اللہ ہے بڑی وسعتوں کا مالک، سب کچھ جاننے والا۔

اب اس باب میں ایک روایت بھی سن لیجئے جسے نبی کریم ﷺ کی طرف غلط منسوب کیا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ ایسی بات کہہ ہی نہیں سکتے۔ یہ روایت بخاری شریف میں ہے اور اس کے الفاظ کچھ یوں ہیں: "آدم، شعبہ، محارب بن دسار، جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ جب میں نے شادی کی تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ تونے کیسی عورت سے شادی کی ہے؟ میں نے عرض کیا بیوہ سے، آپ ﷺ نے فرمایا تجھے کنواریوں میں ان کے کھیل سے رغبت نہیں ہے۔ شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے عمر بن دینار سے یہ بیان کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے جابر بن عبداللہ سے سنا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے نو عمر لڑکی سے شادی کیوں نہ کی تاکہ تو اس سے کھیلتا اور وہ تجھ سے کھیلتی"۔ قرآن کریم کے بیواؤں سے شادی کرنے کے ترغیبی حکم کے پس منظر میں یہ بات کچھ جچتی نہیں کہ حضور ﷺ بیوہ سے شادی پر خوش نہ ہوں اور بجائے اسکے اپنے صحابہ کو یہ گلہ کر رہے ہوں یا مشورہ دے رہے ہوں کہ تجھے کنواریوں میں ان کے کھیل سے رغبت نہیں یا یوں کہہ رہے ہوں کہ تو نے نو عمر لڑکی سے شادی کیوں نہ کی تاکہ تو اس سے کھیلتا اور وہ تجھ سے کھیلتی۔ حضور کو اپنے رفقاء کے اس عمل پر کہ انہوں نے بیوہ سے شادی کی، خوشی کا اظہار کرنا چاہیے تھا اور ان کو تو ان کے اس عمل پر شاباش دینی چاہیے تھی کجا یہ کہ وہ ان کو اس نیک عمل پر حوصلہ شکنی (Discourage) کرتے نظر آ رہے ہوں۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے اور غلط حضور ﷺ کی طرف منسوب کر دی گئی ہے۔

4۔ کثرت ازدواج

کثرت ازدواج کے بارے میں پورے قرآن میں صرف ایک ہی آیت نازل ہوئی جو بیوہ عورتوں کے نکاح کے ضمن میں ہے اور وہ اوپر بیان کردہ سورہ النّساء کی آیت نمبر 3 ہے۔ یہی ایک مقام ہے جہاں پر اللہ تعالیٰ چار تک شادیوں کی اجازت دے رہا ہے وہ بھی

اس لئے کہ لوگ بیواؤں اور یتیموں کا سہارہ بنیں، لیکن وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ تم ان کے ساتھ انصاف کر سکو۔ ورنہ تو اس سے ایک ہی بیوی یعنی یک زوجیت (فواحدہ Monogamy) کا اصول متعین ہو رہا ہے اور یہ صرف ایک استثنائی صورت ہے ایک سے زائد شادیاں کرنے کی۔ اس استثنا کے اندر ایسی سب عورتیں شامل ہو سکتی ہیں جو کسی نہ کسی وجہ سے یَتٰمَی النِّسَآءَ کے ذمرے میں آتی ہوں جن کی صورت اوپر بیان کر دی گئی ہے۔

اسکے علاوہ بے مہار کثرت ازدواج کی اجازت ہر گز نہیں ہے جیسا کہ اکثر امرا اور روسا کرتے ہیں۔ لیکن اوپر جو کثرت ازدواج کی اجازت دی گئی ہے وہ بھی ان چار شرطوں کے ساتھ مشروط ہے۔

1۔ اگر معاشرہ میں بے شوہر عورتوں کا مسئلہ پیدا ہو جائے، اور اسکا کوئی مناسب حل نہ نکل سکے تو وحدت زوج کے اصول میں استثناء پیدا کر کے، ان عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت ہے۔ اس کے علاوہ بھی اگر اور کوئی معقول وجہ استثناء کی بنتی ہو تو دوسری شادی کا جواز پیدا ہو سکتا ہے، مثلاً اگر پہلی بیوی سے اولاد نہ ہو جو کہ بقائے نسل کا ذریعہ ہے تو اس صورت میں بھی دوسری بیوی لائی جا سکتی۔

2۔ یہ استثنائی اجازت پھر اس شرط کے ساتھ مشروط کر دی گئی ہے کہ افراد خانہ میں عدل قائم رکھا جا سکے اور تمام اہل وعیال کی مناسب پرورش اور تربیت ہو سکے۔ جہاں تک عدل کا تعلق ہے اس سے مراد مساویانہ رویہ، سلوک اور برتاؤ ہے۔ جذبات کا عدل مقصود نہیں ہے۔ جذبات میں یکسانیت یا مساوات رکھنا تو انسان کے بس کی بات ہی نہیں ہے۔ ایسی یکسانیت اور مساوات تو اولاد کے درمیان بھی نہیں رکھی جا سکتی، بیویوں کے درمیان کیسے رکھی جا سکتی ہے۔ پس فرمایا کہ عورتوں کے درمیان تمہارے لئے اس قسم کا جذباتی عدل قائم رکھنا تو ممکن ہی نہیں ہے لیکن دیکھنا کہیں ایک کی طرف اتنا نہ جھکنا کہ دوسری بیوی لٹکتی رہ جائے۔ "وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِیْلُوْا کُلَّ الْمَیْلِ فَتَذَرُوْهَا کَالْمُعَلَّقَةِ" (النّساء:129)۔ ترجمہ: اور نہیں قدرت رکھتے تم اس بات کی کہ عدل کر سکو بیویوں کے درمیان، خواہ کتنا ہی چاہو تم، لیکن نہ جھک جاؤ (کسی ایک کی طرف) پوری طرح سے جھکنا، کہ چھوڑ دو دوسری کو لٹکتا ہوا۔ یعنی تم ہزار چاہو جذباتی عدل تو قائم کر ہی نہیں سکتے لیکن ایسا بھی نہ ہو کہ دوسری بے چاری بالکل ہی نظر انداز کر دی جائے۔

3۔ دوسری شق سے ایک اور تیسری شق اخذ ہو رہی ہے اور وہ ہے عیال داری کی۔ اگر وسائل اتنے نہیں ہیں کہ دو بیویوں اور ان کی اولادوں کا خرچہ برداشت نہیں کر سکتے تو عدل کی شرط پوری کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو جائے گا۔ تو اس صورت میں اگر تم دوسری بیوی لانا ہی چاہتے ہو کہ کوئی ایسی مجبوری آڑے آ رہی ہے تو پہلی بیوی کو طلاق دے کر دوسری بیوی لے آؤ اور قرآن اس کی اجازت دے رہا ہے۔ ارشاد ہے کہ ''وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّکَانَ زَوْجٍ، وَّ اٰتَیْتُمْ اِحْدٰھُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْئًا'' (النّساء:20)۔ ترجمہ: اور اگر چاہو تم بدلنا بیوی کی جگہ بیوی، اور دے چکے ہو تم ان میں سے کسی ایک کو ڈھیروں مال تو نہ واپس لو اس میں سے کچھ بھی۔ اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ اگر چاہو تم بدلنا بیوی کی جگہ بیوی تو اس کی اجازت ہے لیکن (جیسا کہ آیت کے دوسرے حصہ میں بتایا جا رہا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلی کو طلاق دے دو) اور اگر تم نے ان کو ڈھیروں سونا بھی مہر میں دیا ہو تو اس کو واپس نہ لو۔ عیال داری کے لئے تو وسائل کی اتنی اہمیت رکھی گئی ہے کہ اگر تم ایک نکاح یا شادی کی بھی طاقت نہیں رکھتے تو ایک نکاح بھی مت کرو۔ بلکہ فرمایا کہ اپنے ضبطِ نفس سے کام لو یہاں تک کہ اللہ تمہیں غنی کر دے۔ فرمایا ''وَلْیَسْتَعْفِفِ الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ نِکَاحاً حَتّٰی یُغْنِیَھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِهٖ'' (النّور:33)۔ ترجمہ: اور چاہیے کہ پاکدامن رہیں وہ لوگ جو نہیں استطاعت رکھتے نکاح کرنے کی، حتٰی کہ غنی کر دے انکو اللہ اپنے فضل سے۔ یہیں سے ضبط تولید (Birth Control) کی دلیل بھی اخذ ہو رہی ہے، کیونکہ بیوی سے بڑی ذمہ داری تو بچوں کی پرورش اور ان کی تعلیم و تربیت کی ہوتی ہے۔ لیکن اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ ہم باب الرزق میں کریں گے۔

4۔ یہ چوتھی شق بھی دوسری شق سے ہی ماخذ ہے اور وہ ہے پہلی بیوی سے اجازت، اگر دوسرا، تیسرا یا چوتھا نکاح پہلی بیویوں سے اجازت لئے بغیر کیا جا رہا ہو یا اگر ان سے رازداری برتی جا رہی ہو اور نکاح کے بارے میں انہیں اعتماد میں ہی نہ لیا جا رہا ہو یا انکے علم ہی میں نہ لایا جائے تو ایسا نکاح عدل کے تقاضے کیا خاک پورے کرے گا۔ یہ تو سراسر دھوکا ہی ہوگا جو حرام ہے۔ اور جس نکاح کی بنیاد ہی دھوکے اور فراڈ پر ہو، تو ایسے نکاح سے تو باز ہی رہنا چاہیئے۔

یہاں سے ایک اور بڑے اہم نقطہ کی طرف بھی اشارہ بھی ملتا ہے کہ جنسی جذبہ کی تسکین اس تسکین کی مانند نہیں ہے جو کھانے پینے سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر کھایا پیا نہ جائے تو بھوک سے موت واقع ہو جاتی ہے لیکن اگر جنسی جذبہ کی تسکین نہ ہو تو اس سے موت واقع نہیں ہوتی۔ اسلئے اگر آدمی بھوک سے مر رہا ہو تو اسے اتنی مقدار میں حرام کھانے کی اجازت ہوتی ہے جس سے اس

کی جان بچ جائے۔ لیکن جنسی تسکین کے لئے ایسی کوئی اضطراری حالت نہیں ہے جس سے اس کی موت واقع ہو جائے۔ اس لئے جنسی تسکین کے لئے صرف بیویوں اور لونڈیوں (لونڈیوں کے بارے میں تفصیل، لونڈیوں سے تمتع کے ضمن میں آگے آرہی ہے) کی اجازت دی گئی۔ جیسا کہ سورہ المومنون میں آیا ہے۔ مومن لوگ وہ ہیں جو اَور من جملہ باتوں کے "اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں کے یا ان (عورتوں) جو انکی ملکیت میں آچکیں۔ ہاں ان سے مباشرت کرنے میں ان پر کوئی ملامت نہیں"(المومنون: 6)۔ ہاں جو لوگ اسکے علاوہ کچھ چاہیں یا کریں یہ زیادتی ہو گی۔ ارشاد ہوتا ہے "فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآ ءَ ذٰلِکَ فَاُوْلٰٓئِکَ ھُمُ الْعَادُوْنَ" (المومنون: 7)۔ ترجمہ: پھر جو چاہے اسکے علاوہ کچھ اور، سو ایسے ہی لوگ زیادتی کرنے والے ہیں۔ یہ یاد رہے کہ متعہ جس کا ذکر مناسب جگہ پر آئے گا اور آج کل لونڈیوں کا جواز پیدا کر کے رکھیل اور داشتہ کا رکھنا بھی اسی زیادتی کے زمرے میں آتے ہیں۔

5۔ مہر ایک فریضہ ہے

قرآنِ کریم نے نکاح کے سلسلہ میں ایک شرط کا ذکر کیا ہے اور وہ ہے ادائے مہر۔ مہر کے لغوی معنی تو محبت و مہربانی کے ہیں لیکن اسلامی اصطلاح میں اس سے مراد وہ تحفہ ہے جو شادی کے موقعہ پر شوہر اپنی بیوی کو دیتا ہے۔ قرآنِ پاک میں مہر کا لفظ بذاتِ خود تو استعمال نہیں ہوا البتہ اس کی جگہ دو اور لفظ استعمال ہوئے ہیں اُجُوْرَھُنَّ اور صَدُقٰتِھِنَّ۔ اجور، اجر کی جمع ہے جس کا مطلب معاوضہ ہوتا ہے۔ اس سے ذہن میں یہ بات آسکتی ہے کہ شاید مہر عورت کے ساتھ تعلقات کا معاوضہ ہو لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ در اصل قرآنِ کریم عربوں کی زبان میں نازل ہوا اور انہی کی اصطلاح میں بات کرتا ہے۔ ان کے ہاں مہر کے لئے اجورہ کی اصطلاح ہی استعمال ہوتی تھی، اس لئے قرآن نے بھی مہر کے لئے اکثر اسی اصطلاح کو استعمال کیا ہے۔ مثلاً "فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِہٖ مِنْھُنَّ فَاٰتُوْھُنَّ اُجُوْرَھُنَّ فَرِیْضَۃً وَلَا جُنَاحَ عَلَیْکُمْ فِیْمَا تَرٰضَیْتُم بِہٖ مِنْ بَعدِ الْفَرِیْضَۃِ" (النّساء: 24)۔ ترجمہ: پھر جو فائدہ اٹھاؤ تم ان عورتوں میں سے کسی سے تو ادا کرو ان کو ان کے مہر بطورِ فریضہ کے، اور نہیں ہے کوئی گناہ تم پر اس پر بھی کہ جو باہمی رضامندی سے طے پا جائے تمہارے درمیان مہر مقرر کرنے کے بعد بھی۔ اسکے علاوہ سورہ المائدہ: 5، الاحزاب: 50، الممتحنہ: 10 اور الطلاق: 6 میں بھی مہر کے لئے اجورہ کا لفظ ہی استعمال ہوا ہے۔ اگر اجورہ کی بجائے کوئی اور لفظ استعمال ہوتا تو اسکے معنی عربوں پر کس طرح واضح ہوتے۔

ہاں البتہ قرآن نے اس شبہ کو کہ مہر ایک اجرت یا معاوضہ ہے، سورۃ النساء کی آیت نمبر 4 میں اس کو صدقہ کہہ کر رفع کر دیا ہے۔ فرمایا کہ ''وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا'' (النّساء:4)۔ ترجمہ: اور ادا کرو عورتوں کو ان کے مہر (کسی معاوضہ کا خیال کئے بغیر جس طرح صدقہ ادا کرتے ہو)، خوش دلی سے (جس طرح شہد کی مکھی شہد دیتی ہے)۔ ہاں اگر وہ (چھوڑ دیں) اپنی خوشی سے تمہارے لئے کچھ حصہ مہر کا از خود، تو اسے کھاؤ خوشگوار سمجھ کر بے کھٹکے (تو تم بلا تامل اسے اپنے استعمال میں لا سکتے ہو)۔ یہ آیت بہت ہی بلیغ معنی کی حامل آیت ہے۔ یہاں نِحْلَه کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ نِحْلَه شہد کی مکھی کو کہتے ہیں۔ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً کے یہاں پر معنی یہ ہونگے کہ جس طرح شہد کی مکھی میلوں کی مسافت طے کر کے پھولوں کے رس کا ایک ایک قطرہ لاتی ہے اور اسے بغیر کوئی معاوضہ لئے چھتے میں لا کر جمع کر دیتی ہے، مہر مرد کی طرف سے بیوی کے لئے اسی طرح کا ایک تحفہ ہے۔ چونکہ مہر کا پیش کرنا یعنی اس کا ادا کرنا حکمِ خداوندی ہے، اس لئے اس کے لئے فریضہ کا لفظ بھی آیا ہے۔ جیسے سورہ البقرہ کی آیت نمبر 236 اور 237 میں۔

مہر چونکہ ایک تحفہ ہے اور تحفہ کی کوئی خاص مقدار معین نہیں کی جا سکتی، اس لئے مہر کی بھی کوئی خاص مقدار معین نہیں ہے۔ لیکن یہ تو ظاہر ہے کہ اسے خاوند کو اپنی مالی حیثیت کے مطابق ہی دینا چاہیے۔ استطاعت کی نسبت سے یہ سونے کا ڈھیر بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ سورہ النساء میں ہے کہ ''وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ، وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا'' (النّساء:20)۔ ترجمہ: اور اگر چاہو تم بدلنا بیوی کی جگہ بیوی، اور دے چکے ہو تم ان میں سے کسی ایک کو ڈھیروں مال تو نہ واپس لو اس میں سے کچھ بھی۔ مہر کا تعین تو نکاح کے ساتھ ہی ہونا چاہیے، مگر بعض اوقات ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ نکاح تو ہو جائے مگر مہر کا تعین نہ کیا گیا ہو۔ ارشاد ہے: ''وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً، وَّمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ، مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ، حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ۔'' (البقرۃ:236)۔ ترجمہ: نہیں ہے کچھ گناہ تم پر اگر طلاق دے دو تم عورتوں کو قبل اس کے کہ چھوا ہو تم نے ان کو، یا مقرر کیا ہو ان کے لئے مہر، اور کچھ نہ کچھ ضرور دو ان کو، جو خوشحال ہو (وہ دے) اپنی حیثیت کے مطابق اور تنگ دست اپنے مقدور کے مطابق، یہ دینا دستور کے مطابق ہو، لازم ہے یہ نیک لوگوں پر۔

اوپر والی آیت سے یہ بات عیاں ہے کہ ایسی صورت ہو سکتی ہے کہ نکاح تو ہو جائے لیکن مہر مقرر نہ ہوا ہو۔ مگر ایسی صورت شاذ ہی پیش آ سکتی ہے، معمول یہی ہے کہ مہر نکاح کے وقت ہی مقرر کیا جائے۔ اگر ایسی صورت میں بغیر ادائے حقوقِ زن و شو طلاق

ہو جائے تو پھر بھی لازم ہے کہ شوہر اپنی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ بیوی کو دے۔ اگر ایسی صورت میں (یعنی بغیر ادائے حقوقِ زن و شو طلاق ہو گئی) مہر مقرر ہو چکا تھا تو نصف مہر ادا کرنا ہو گا (البقرۃ: 237)۔ اگر طلاق بعد از ادائے حقوقِ زن و شو ہوئی ہو تو پورا مہر ادا کرنا زیادہ بہتر ہو گا جیسا کہ اوپر سورہ النّساء کی آیت نمبر 24 میں کہا گیا ہے کہ "فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً، وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ"۔ ہاں اگر باہمی رضامندی سے کچھ طے پا جائے یا عورت اپنی طرف سے کچھ کمی کر دے تو اور بات ہے۔ لیکن اگر مہر پہلے ادا ہو چکا ہو تو واپس نہیں لیا جا سکتا (البقرۃ: 229)۔ اگر طلاق کا مطالبہ عورت کی طرف سے ہو تو عورت اپنا مہر بھی چھوڑ سکتی ہے اور اپنی طرف سے بطورِ فدیہ مرد سے اپنی جان چھڑانے کے لئے کچھ زیادہ بھی دے سکتی ہے (البقرۃ: 229)۔

6۔ جہیز ایک لعنت ہے

جہیز کے لغوی معنی تو ساز و سامان کے ہیں۔ اصطلاحی معنوں میں اس سے مراد وہ ساز و سامان لیا جاتا ہے جو دلہن کے والدین اپنی بیٹی کی رخصتی کے موقع پر اسے دیتے ہیں۔ اگر اس ساز و سامان سے مراد شادی کے تحائف لئے جائیں تو جہیز اور مہر ایک دوسرے کے مترادف اور مماثل الفاظ ہونگے۔ انگریزی لغت میں ان دونوں کیلئے dawry کا لفظ آیا ہے جسے اردو میں شادی کا تحفہ کہا جا سکتا ہے۔ یہ تحفہ اگر دلہا کی طرف سے دلہن کو دیا جائے تو اسے مہر کہتے ہیں، اور اگر یہ تحفہ دلہن یا اس کے کے والدین کی طرف دلہا کو دیا جائے تو اسے ان معنوں میں جہیز بھی کہا جا سکتا ہے۔ اسلامی دنیا اور ہندوستان کو چھوڑ کر دنیا کے باقی علاقوں میں یہ تحائف کا تبادلہ دونوں طرف سے ہوتا ہے لیکن اسلام میں اس تحفہ کی بنیادی ذمہ داری تو دلہا پر ڈالی گئی ہے کہ وہ ضرور اپنی دلہن کو مہر کی صورت میں دے جیسا کہ اوپر پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔

ہندوؤں کے ہاں عورت خاص طور پر بیٹی کو وراثت اور جائداد میں سے کوئی حصہ نہیں دیا جاتا تھا، اسی لئے اس کی شادی کے وقت اس کے والدین اس کو کچھ مال یا گھرداری کی چند اشیاء خیرات کے طور پر دان کرتے تھے۔ ہندی میں دان کہتے ہی خیرات کو ہیں۔ یہی دان داج یا دھیج کی صورت اختیار کر گیا جس کو اردو میں اب جہیز کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کو اگر شادی کا تحفہ سمجھ کر دیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن اگر جہیز کا مطالبہ دلہا یا دلہا کے والدین کی طرف سے ہو تو یہ ایک ایسی پست ذہنیت کا مظاہرہ ہو گا جس کا

تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ قرآنِ کریم نے تو مرد پر یہ فریضہ عائد کیا ہے کہ وہ عورت کو کچھ نہ کچھ تحفے کے طور پر دے، نہ الٹا یہ کہ اس سے کچھ طلب کرے۔ چونکہ ہمارے معاشرے میں اچھے رشتوں کی کمی ہوتی ہے اور لڑکی کے والدین اس بارے میں پریشان رہتے ہیں، اس لئے جہیز کا مطالبہ ان کی اس پریشانی سے فائدہ اٹھانے کے لئے کیا جاتا ہے۔ یہ غایت درجے کا استحصال (Exploitation) ہے جو لڑکی کے والدین کا ان کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر کیا جاتا ہے۔ اب ذرا غور کریں کہ جس رشتے کی ابتدا استحصال کی نیت سے ہوتی ہو اس کا انجام کیا ہو گا۔ خاوند اور اس کے گھر والے ساری عمر یہی سمجھتے رہتے ہیں کہ انہوں نے شادی کر کے لڑکی کے والدین پر ایک بہت بڑا احسان کیا ہے اور انہیں عمر بھر ان کا دبیل رہنا چاہیے۔ وہ ان سے آئندہ بھی بڑے نامعقول مطالبے پورے کراتے ہیں اور اگر ان کے یہ مطالبے پورے نہ ہوں تو لڑکی کو واپس اس کے میکے بھیجنے کی دھمکیاں دی جاتی ہیں۔ یہ اس دور کی ذہنیت کا مظاہرہ ہے جب آدمی ابھی انسانیت کی سطح پر نہیں پہنچا تھا اور شریف آدمی اس قسم کی ذہنیت کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ قرآنِ کریم ایسی ذہنیت کی بھرپور مذمت کرتا جس کی تہ میں کسی انسان کا استحصال پایا جاتا ہو۔ سود حرام ہونے کی وجہ یہی تو ہے کہ اس میں سرمایہ دار مہاجن، غریب بھوکے اور مجبور لوگوں کا معاشی استحصال کرتا ہے۔

7۔ازدواجی ذمہ داریاں

اللہ تعالیٰ نے عورت کو وراثت میں حصہ دلوایا، اس کو مال و جائیداد کی ملکیت کے حقوق دیئے اور سب سے بڑھ کر اس کو کام کرنے کی آزادی دی۔ قرآن نے حکم دیا کہ سب اکتسابِ رزق کر سکتے ہیں۔ جو کچھ مرد کمائے وہ مرد کا حصہ اور جو عورت کمائے وہ عورت کا حصہ ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ''وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰہُ بِہٖ بَعْضَكُمْ عَلٰی بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ وَسْـَٔـلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ ۭ اِنَّ اللّٰہَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِـيْمًا۔ (النّساء:23)۔ ترجمہ: اور مت تمنا کرو ایسی بات کی کہ فضیلت دی ہے اللہ نے اس میں تم سے بعض کو بعض پر، مردوں کے لئے ہے حصہ اس میں جو کمایا انہوں نے، اور عورتوں کے لئے ہے حصہ اس میں سے جو کمایا انہوں نے، اور مانگو اللہ سے اس کا فضل بے شک اللہ ہے ہر چیز کے بارے میں سب کچھ جاننے والا۔

لیکن اس سب کچھ کے باوجود اللہ نے عورت کی مالی ضروریات کا کفیل مرد ہی کو بنایا۔ یہ نہیں کہا کہ چونکہ اسے جب مالی لحاظ سے ہر طرح کی آزادی دی ہے تو وہ اپنی مالی ضروریات بھی خود ہی پوری کرے بلکہ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے عورت کی مالی

ضروریات پوری کرنا یعنی اس کے نان ونفقہ، کپڑوں اور رہائش کا خرچہ وغیرہ مرد کے ذمہ ہی رکھا۔ فرمایا "اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّ بِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِھِمْ، فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ" (النّساء:34)۔ ترجمہ: مرد سرپرست و نگہبان ہیں عورتوں کے اس بناپر کہ فضیلت دی ہے اللہ نے انسانوں میں بعض کو بعض پر اور اس بناپر کہ خرچ کرتے ہیں مرد اپنے مال، پس نیک عورتیں (ہوتی ہیں) قناعت شعار، حفاظت کرنے والیاں (مردوں کی) غیر حاضری میں، ان سب چیزوں کی کہ محفوظ بنایا ہے اللہ نے۔ گویا اللہ نے مرد کو عورت پر دو ذمہ داریوں کی بناپر فضیلت دی ہے۔ ایک تو مرد کے ذمے عورت کی یا یوں کہیے کہ پورے گھر کی حفاظت کرنا ہے کیونکہ وہ جسمانی طور عورت سے زیادہ طاقتور ہے اور حفاظت کرنے کے سلسلے میں اس کو عورت پر زیادہ قدرت حاصل ہے اور دوسرے اس کے ذمے اللہ تعالٰی نے عورت کی یعنی پورے گھر کی مالی ضرورتوں کا پورا کرنا بھی لگایا ہے۔ اور یہ ذمہ داریاں عورت اٹھانے سے اس لئے بھی قاصر ہے کہ اللہ نے اسے جس مقصد کے لیے تخلیق کیا ہے اس کی وجہ سے وہ یہ ذمہ داریاں اٹھانے سے قاصر ہے۔ عورت کی تخلیق کا بنیادی مقصد افزائش نسلِ انسانی ہے۔ تو اسے اس مقصد کی تکمیل کے لئے اپنے حمل کی نو مہینے تک حفاظت بھی کرنی پڑتی ہے اور پیدائش کے بعد بچے کی پرورش اور تربیت بھی اسی نے کرنی ہوتی ہے۔ یہ بہت بڑا کام ہے اگر عورت کے ذمے کمانے اور گھر کی حفاظت کی ذمہ داریاں بھی ڈال دی جاتیں تو وہ اپنی ان بنیادی ذمہ داریوں سے کس طرح سے عہدہ براء ہو سکتی تھی۔ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ کے الفاظ غالباً اسی مقصد کی طرف اشارہ کررہے ہیں کہ وہ اپنے حمل کو روک کر رکھتی ہے اور اسکی حفاظت کرتی ہیں یعنی اسے ضائع ہونے سے بچاتی ہے اور بچہ پیدا ہونے کے بعد بھی بچہ کی حفاظت کرتی ہے، اسکو دودھ پلاتی ہے، اسکی پرورش اور تربیت کرتی ہے جس کا مکلف اللہ نے اس کو بنایا ہے۔ اور یہ تبھی ممکن ہو گا اگر اس کے اوپر گھر کی حفاظت اور مالی ذمہ داریوں کا بوجھ نہیں ڈالا جائے گا۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی بہت ضروری ہے کہ اکثر ترجموں میں قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلغَیب کا ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے شوہروں کی وفا شعار ہوتی ہیں اور انکی غیر حاضری میں اپنی عصمت و عفت کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔ تو ان ترجموں کو پڑھ کر سوال پیدا ہے کہ کیا یہ صفات صرف عورتوں کے لئے ہی مخصوص ہیں، مردوں کے لئے ان صفات کا حامل ہونا کیا ضروری نہیں ہے؟۔ کیا مردوں کا عورتوں کے لئے وفا شعار نہیں ہونا چاہیے اور کیا مردوں کو عورتوں کی غیر حاضری میں اپنی عصمت و عفت کی حفاظت نہیں کرنا چاہیے؟ یہ تو تھا ایک عقلی اور منطقی سوال جو قرآن کے قاری کے ذہن میں آسکتا ہے۔ مگر قرآن اس کا جواب بھی دیتا

ہے جیسا کہ سورۃ الاحزاب میں آیا ہے۔ ''اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا۔(الاحزاب:35)۔ ترجمہ: بالیقین مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں، فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، راست باز مرد اور راست باز عورتیں، صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، اللہ کے آگے جھکنے مرد اور اللہ کے آگے جھکنے والی عورتیں، صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں، روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں، اور حفاظت کرنے والے مرد اپنی شرم گاہوں کی اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اور یاد کرنے والے مرد اللہ کو بہت زیادہ اور یاد کرنے والی عورتیں، تیار کر رکھی ہے اللہ نے ان سب کے لئے مغفرت اور اجر عظیم۔ پس یہ سب خصوصیات تو مردوں اور عورتوں دونوں میں مشترکہ بیان کی گئی ہیں۔ اسلئے اگر فرمانبردار ہونا اور عصمت وعفت کی حفاظت کرنا عورت کے لئے ضروری ہے تو قرآن مجید کی رو سے مرد کے لئے بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ لہٰذا یہ مفہوم کہ مرد کمانے اور عورت پر حکومت کرنے کے لئے ہے اور عورت اس کی فرمانبرداری اور اپنی عصمت کی حفاظت کے لئے ٹھیک نہیں لگتا۔ پس صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ مرد کا اصل کام گھر کی حفاظت اور مالی کفالت کرنا ہے اور عورت کی بنیادی ذمہ داری بچوں کی پیدائش، ان کی پرورش اور گھر کی دیکھ بھال ہے خصوصًا خاوند کی غیر حاضری میں۔

یہیں پر ایک اور بات کی وضاحت بھی بہت ضروری ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ عائلی زندگی میں مالی کفالت کی کلیۃً ذمہ داری مرد کی ہے عورت کی نہیں۔ کھانے پینے اور پہننے کی تمام اشیاء کے علاوہ مکان اور اس کے اندر تمام ساز و سامان مہیا کرنا بھی مرد کی ذمہ داری ہے۔ مثلاً فرنیچر، کھانے پینے کے برتن اور عام استعمال کی بہت ساری پائیداری اشیاء(durables) کا بندو بست کرنا بھی مرد کی ذمہ داری میں شامل ہے۔ حتیٰ کہ شادی نکاح پر جو اخراجات آتے ہیں ان کا برداشت کرنا بھی مرد کی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ یہی نہیں کہ یہ مالی ذمہ داری اسی وقت تک ہے جب تک وہ نکاح کے بندھن میں بندھے ہوئے ہیں بلکہ اگر ان میں طلاق بھی ہو گئی ہے تب بھی حکم ہے کہ ''اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ۭ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗٓ اُخْرٰى'' (الطلاق:6)۔ ترجمہ: رکھو تم ان (مطلقہ) عورتوں کو اسی جگہ جہاں تم خود رہتے ہو جیسی بھی جگہ تمہیں میسر

ہو اور نہ ستاؤ تم انہیں تنگ کرنے کیلئے۔ اگر ہوں وہ حاملہ تو خرچ کرتے رہو تم ان پر یہاں تک کہ ان کے ہاں بچہ ہو جائے، پھر اگر وہ دودھ پلائیں تمہارے لئے (بچے کو) تو دو تم انہیں ان کی اجرت اور (اجرت کا) معاملہ طے کرو مشورے سے آپس میں بھلے طریقے سے اور اگر تم نے ایک دوسرے کو تنگ کیا تو دودھ پلائے گی اس کو کوئی اور عورت۔ یعنی طلاق کے بعد بھی عدت پوری ہونے تک عورت کو اپنے پاس اپنے مکان میں رکھنا ہے اور اس کا خرچہ اپنی حیثیت کے مطابق پورا کرنا بھی مرد کی ذمہ داری ہے۔ اور اگر عورت حاملہ ہو تو وضع حمل تک اس ذمہ داری کو نبھانا ہے اور اس کی ساری نان ونفقہ کی ضروریات کو پورا کرنا ہے۔ تو پھر بچہ جننے کے بعد اگر وہ دودھ پلانا چاہے تو اس کو اس کی اجرت بھی دینی ہو گی۔ بصورتِ دیگر کوئی اور عورت اس کام کے لئے رکھ لی جائے جس کی اجرت بچے کا باپ ادا کرے گا۔

یہاں جو اجرت کا معاملہ ہے وہ اس عورت کے لئے ہے جسے طلاق دی جا چکی ہو۔ عام حالات میں اگر عورت بطورِ بیوی کے زندگی گذار رہی ہے تو نہ صرف یہ کہ بچے کو دودھ پلانا اسکی ذمہ داریوں میں شامل ہو گا بلکہ گھر کے دیگر کام کاج کرنا مثلاً کھانا پکانا، گھر کی صفائی کرنا اور ایسے دوسرے چھوٹے موٹے کام کرنا بھی اس کی ازدواجی ذمہ داریوں میں شامل ہونگے۔ اگر وہ ملازمت کر رہی ہو یا اپنا کوئی کاروبار چلا رہی ہو (اللہ نے اس کو اس کی اجازت ضرور دی ہے حالانکہ یہ بنیادی ذمہ داری مرد کی ہے اور اس کی ذمہ داری عورت نے خود اٹھائی ہے اس لئے اس کی جو بھی قیمت یعنی cost ہو گی وہ عورت کو ہی اٹھانی ہو گی) اور اس کو گھر داری کے کام کرنے کی فرصت نہیں ملتی تو اس صورت میں یہ سب گھریلو کام کروانا بھی اسی کی ذمہ داری ہو گی چاہے اس کے لئے اس کو کوئی ملازم یا ملازمہ ہی کیوں نہ رکھنا پڑے۔ قرآنِ پاک نے اسے کام کرنے کی آزادی ضرور دی ہے لیکن وہ گھریلو ذمہ داریوں سے پہلو تہی نہیں کر سکتی۔ بہر حال ان کا پورا کرنا اس کی کی ہی ذمہ داری ہو گی۔ مرد صرف مال خرچ کرنے کا مکلف ہے وہ بھی نان ونفقہ پر۔ کاروبار یا ملازمت کے سلسلہ میں جو بھی اخراجات آئیں گے وہ خود اپنی جیب سے اسے پورا کرنا ہونگے۔

گھریلو ذمہ داریوں سے پہلو تہی کرتے ہوئے ہمارے ہاں اکثر عورتیں یہ کہتی ہوئی پائی جاتی ہیں کہ خاوند کے والدین کا خیال رکھنا اور ان کی خدمت کرنا ان کی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ خاوندوں کو چاہیے کہ وہ خود ان کی خدمت کریں اور ان کا خیال رکھیں۔ اکثر ہمارے ہاں کے علماء کرام بھی اس معاملے میں ان کی ہاں میں ہاں ملانے پر تیار بیٹھے ہوتے ہیں [1]۔ تاہم اس قسم کے خیالات رکھنے

---

[1] ہمارے علماء کرام کا یہ دستور ہے کہ وہ ہر غلط بات پر عورتوں کا ساتھ دینے کے لئے تیار رہتے ہیں مگر جب ان حقوق کی بات ہوتی ہے جو اللہ نے انہیں دیے ہیں تو فوراً ان حقوق کی مخالفت شروع کر دیتے ہیں۔

سے اکثر فریقین میں ناراضگیاں بڑھ جاتی ہیں۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو اس میں ذرا برابر بھی صداقت نہیں ہے۔ اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ اسلام تو سڑک پر سے گزرنے والے ناواقف بوڑھے اور ناتواں لوگوں کی مدد کرنے کی بھی تلقین کرتا ہے چہ جائیکہ وہ گھر کے اندر ہی موجود ہوں اور وہ ناواقف نہیں بلکہ ان کے والدین کی جگہ پر ہوں۔ تو کیا اسلام ان کا خیال رکھنے اور ان کی خدمت کرنے کے لئے نہیں کہے گا؟

دوسری بات یہ کہ چلو مان لیا یہ خاوند کی ہی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کی خدمت کرے۔ مگر اللہ نے خاوند کے اوپر کمانے کی ذمہ داری ڈالی ہوئی ہے جس کے لئے وہ سارا دن گھر سے باہر خون پسینہ ایک کرتا ہے۔ ایسی صورت میں وہ گھر کے اندر کی ذمہ داریوں سے کیسے عہدہ برا ہو گا۔ اگر گھر میں بیوی موجود ہو تو کیا خاوند کی غیر حاضری میں اس کے والدین کا خیال رکھنا اس کی ذمہ داری نہیں بنتا جس کے لئے وہ کمانے کی خاطر گھر سے باہر گیا ہوا ہو۔ کچھ لوگ یہ بھی دلیل دیتے ہیں کہ اگر خاوند اپنے والدین کی خدمت کے لئے کسی خادم کو رکھ لے تو مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ یہاں پر عرض ہے کہ خادم رکھنا تو وسائل پر منحصر ہے، مگر جو خدمت اولاد یا گھر والے کر سکتے ہیں اس کی خادم سے توقع رکھنا ہی عبث ہے۔ ویسے بھی اگر خادم ہی رکھنا ہے تو اسے اولڈ ایج ہاؤس (Old age house) کیوں نہ بھیج دیا جائے۔ پس بوڑھے والدین کا خیال رکھنا اور ان کی خدمت کرنا بنیادی طور پر بیوی کا ہی فرض بنتا ہے۔ اگر وہ بھی کہیں ملازمت کے سلسلہ میں گھر سے باہر جاتی ہو تو پھر متبادل انتظام کے بارے میں سوچا جا سکتا ہے۔

8۔ کم سنی کا نکاح

حیاتیاتی طور پر یہ بات ظاہر ہے کہ کوئی جاندار بھی چاہے اس کا تعلق اڑنے والے پرندوں سے ہو چاہے گھاس چرنے والے چرندوں یا شکاری درندوں سے، چاہے وہ زمین پر رینگنے والے حشرات میں سے ہو یا زمین اور پانیوں کے اندر رہنے والی مخلوقات میں سے، وہ اپنی نسل کو آگے بڑھانے کے لئے اس وقت تک جوڑا نہیں بناتا جب تک وہ اپنی نسل کو آگے بڑھانے کے قابل نہ ہو جائے۔ اور اس کام کے لئے قدرت نے ہر مخلوق کے لئے ایک خاص عمر رکھی ہوئی ہے۔ انسان اپنی طبعی حیاتاتی زندگی کا بھی اسی طرح پابند ہے جس طرح باقی جاندار۔ وہ بھی ایک خاص عمر سے پہلے اس قابل نہیں ہوتا کہ اپنی نسل کو آگے بڑھائے۔ پھر اس عمر سے

پہلے نکاح کیوں؟ بلکہ اس معاملے میں تو انسان پر اور بھی زیادہ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اس نے صرف بچوں کو پیدا کرنا ہی نہیں ہوتا بلکہ ان کی پرورش کرنا اور انکی ایک خاص تعلیم و تربیت بھی کرنا ہوتی ہے تاکہ اس کے بچے ایک مہذب معاشرے کے افراد بن سکیں۔ تو اس کے لئے تو صرف طبعی یا حیاتیاتی بلوغت کی ہی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اس میں اتنی سمجھ کا پیدا ہونا بھی ضروری ہوتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی صحیح پرورش اور تعلیم و تربیت بھی کر سکے۔

نکاح چونکہ ایک معاہدہ ہے کیونکہ قرآن مجید نے اسے عقد نکاح اور میثاقاً غلیظا کے نام دیئے ہیں جن کا مطلب ہی پکا معاہدہ ہوتا ہے۔ کوئی بھی معاہدہ کرنے کے لئے طرفین کا عاقل اور بالغ ہونا ضروری ہوتا ہے۔ ایسا کوئی بھی شخص جو فاتر العقل ہو یا ابھی عقل کی عمر کو نہ پہنچا ہو وہ کوئی بھی معاہدہ کرنے کا اہل نہیں ہوتا اور نہ دنیا کی کوئی عدالت ایسے معاہدے کو تسلیم کرتی ہے۔ نکاح کے معاہدے کا حصہ بننے کے لئے بلوغت کی شرط لازمی ہے کیونکہ اگر طرفین بالغ ہی نہ ہوں تو سرے سے نکاح کا تصور ہی بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ قرآن پاک نے بھی اسی اصول کو مدِ نظر رکھا ہے اور نکاح کے لئے ایک خاص عمر کا ہونا لازمی قرار دیا ہے۔ چونکہ آب و ہوا میں تفاوت اور دیگر کئی وجوہات کی بنا پر مختلف علاقوں میں بلوغت کی عمر مختلف ہو سکتی ہے۔ اسلئے نکاح کے لئے قرآن نے عمر کا تعین خود نہیں فرمایا بلکہ اس کے تعین کا معاملہ خود لوگوں پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ مختلف جگہوں پر مختلف حالات کے تحت بچے کس عمر میں طبعی بلوغت اور ضروری سمجھ بوجھ حاصل کر لیتے ہیں جو نکاح کی ذمہ داریاں نبھانے کے لئے لازمی ہے، اسکا تعین وہ خود کریں۔ لیکن اِس کا اختیار ان کو نہیں دیا کہ بلوغت کی عمر کو پہنچنے سے پہلے ہی ان کو بیاہ دو جبکہ ان کو پتہ ہی نہ ہو کہ نکاح ہوتا کیا ہے۔

ہاں البتہ اس عمر کے تعین کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں چند اشارے ضرور دے دیئے ہیں۔ سورۃ النّساء کی آیت نمبر ٦ میں ہے کہ "وَ ابۡتَلُوا الۡیَتٰمٰی حَتّٰۤی اِذَا بَلَغُوا النِّکَاحَ ۚ فَاِنۡ اٰنَسۡتُمۡ مِّنۡہُمۡ رُشۡدًا فَادۡفَعُوۡۤا اِلَیۡہِمۡ اَمۡوَالَہُمۡ" (النّساء:6)۔ ترجمہ: اور جانچتے رہو یتیموں کو یہاں تک کہ جب وہ پہنچ جائیں نکاح کی عمر کو پھر اگر پاؤ ان میں عقل کی پختگی تو دے دو ان کو ان کے مال۔ گویا نکاح کے لئے ایک عمر ہے جس سے پہلے نکاح نہیں ہو سکتا اور اس کے ساتھ عقل کی پختگی کا ہونا بھی لازمی ہے کیونکہ اگر ناپختہ عمر میں ان کو مال کی ذمہ داری نہیں سونپی جاسکتی تو ناپختہ عمر میں ان کو نکاح کی ذمہ داری کیسے سونپی جاسکتی ہے جو مال کی ذمہ داری سے بھی بڑی ذمہ داری ہے۔ ایک اور دوسری جگہ پر ارشاد ہوتا ہے کہ "وَ لَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡیَتِیۡمِ اِلَّا بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ حَتّٰی یَبۡلُغَ اَشُدَّہٗ" (الانعام:152)۔ ترجمہ: اور مت قریب جاؤ مالِ یتیم کے مگر ایسے طریقے سے جو بہترین ہو حتّٰی کہ وہ پہنچ جائے سنّ اَشد کو۔ اَشد بھر

پور جوانی کو کہتے ہیں جسکی وضاحت سورۃ المومن میں کردی گئی ہے، جہاں پر ارشاد ہوتا ہے کہ "ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا" (المومن:67)۔ ترجمہ: پھر نکالتا ہے وہ تم کو بچے کی شکل میں، پھر تم اپنی جوانی کو پہنچتے ہو، پھر تم بوڑھے ہو جاتے ہو۔

اوپر بیان کردہ آیات کی روشنی میں یہ تو عیاں ہو گیا کہ نابالغ لڑکے یا لڑکی کا نکاح جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جب قرآن مجید نے اسے باہمی معاہدہ قرار دیا ہے تو معاہدے کے فریقین کا عاقل، بالغ اور بااختیار ہونا لازمی ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے عورتوں کی مرضی کے خلاف انکا مالک بن بیٹھنا بھی جائز قرار نہیں دیا۔ سورۃ النّساء میں ہے "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا" (النّساء:19)۔ اے ایمان والو! نہی تمہارے لئے حلال کہ تم عورتوں کی مرضی کے خلاف زبردستی ان کے مالک بن جاؤ اور ظاہر ہے کہ رضامندی کا سوال بالغ کی صورت میں ہی پیدا ہوتا ہے۔ ولی بھی بالغ عورت کا ہی ہو گا جو اپنی مرضی سے اپنا اختیار اپنے ولی کو سونپے گی۔ نابالغ لڑکی جب خود مختار ہی نہیں ہے تو اس کی طرف سے کسی ولی یا مختار یا وکیل کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔

صرف کم سنی کی ہی شادی کا معاملہ نہیں ہے، ہمارے ہاں تو نابالغ لڑکیوں کے ساتھ ان کے خاوند خلوتِ صحیحہ بھی کر سکتے ہیں اور اس سلسلہ میں وہ سند قرآنِ پاک اور احادیث کی کتابوں سے لاتے ہیں۔ پہلے ہم قرآنِ پاک سے لائی ہوئی سند کا بغور جائزہ لیتے ہیں۔ سورۃ الطلاق میں ہے کہ "وَالّٰٓـِٔيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ" (الطلاق:4)۔ جس کا عام ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ "اور تمہاری وہ عورتیں جو مایوس ہو چکی ہوں حیض آنے سے، اگر (ان کی عدت کے تعین میں) تمہیں کوئی شبہ لاحق ہو جائے تو ان کی عدت تین ماہ ہے، اور انکی بھی جن کو ابھی حیض آیا ہی نہ ہو۔ بخاری شریف میں کم سنی کی شادی کی دلیل اسی آیت سے لائی گئی ہے۔ بابِ نکاح میں ہے کہ آدمی اپنی نابالغ لڑکی کا نکاح کر سکتا ہے اور اسکی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے سورۃ طلاق میں فرمایا ہے "وَالّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ" یعنی جن عورتوں کو ابھی حیض نہ آیا ہو ان کی بھی عدت تین مہینے ہے۔ روایت مذکورہ میں یوں استنباط کیا گیا ہے کہ تین مہینے کی عدت بغیر طلاق کے نہیں ہوتی اور طلاق بغیر نکاح کے نہیں ہو سکتی اس لئے نابالغ لڑکیوں کا نکاح درست ہے۔

اگر یہ استنباط درست ہے تو اس سے تو پھر یہ بھی استنباط کیا جاسکتا ہے کہ چونکہ عدت تین مہینے ہے اسلئے خلوتِ صحیحہ بھی ہو چکی ہے کیونکہ خلوتِ صحیحہ والی کی ہی مدت تین مہینے ہوتی ہے۔ اور جس کے ساتھ خلوتِ صحیحہ نہ ہو اسکی تو کوئی عدت نہیں ہوتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَکَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْھُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْھُنَّ فَمَا لَکُمْ عَلَیْھِنَّ مِنْ عِدَّۃٍ تَعْتَدُّوْنَھَا" (الاحزاب:49) ۔ترجمہ: اے ایمان والو! جب نکاح کرو تم مومن عورتوں سے پھر طلاق دو انہیں اس سے پہلے کہ انہیں ہاتھ لگاؤ تم تو نہیں تمہاری طرف سے ان پر لازم کوئی عدت جسے پورا کراؤ تم ان سے۔ تو دیکھئے بات کہاں تک جا پہنچی کہ اس استنباط نے نابالغ لڑکی کے ساتھ نہ صرف نکاح کو جائز قرار دے دیا بلکہ اس کے ساتھ خلوتِ صحیحہ کی بھی اجازت مرحمت فرمادی۔ اس سے تو یہی ظاہر ہو رہا ہے کہ نعوذ باللہ قرآن کی رو سے C hild sex کی اجازت بھی ہے، جو سراسر قرآن کی ساتھ اتنی بڑی زیادتی ہے کہ اس سے بڑی زیادتی کا تصور بھی کرنا محال ہے۔

اب اگر ایسی روایات راویوں کی غلطی یا کسی اور وجہ سے ہماری کتبِ احادیث میں داخل ہو گئی تھیں تو مطلع ہونے پر یہ روایات ان کتب سے نکال دینی چاہیے تھیں۔ اگر معلوم ہونے کے بعد پھر بھی ہم ان کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں تو یہ ہماری غلطی ہے۔ بے چارے عام لوگوں کو تو یہ پتہ ہی نہیں ہے، وہ تو ان باتوں کو حضور ﷺ کی باتیں سمجھ کر اپنے سینے سے لگائے پھرتے ہیں لیکن ہمارے اہلِ علم حضرات کا تو یہ فرض بنتا ہے کہ ایسی روایات کو کم از کم حدیث تو نہ کہیں اور ان کو کتبِ احادیث سے نکال باہر کریں۔ مسلمانوں کو حضور ﷺ کی بات سے پیار ہے اور پیار ہونا بھی چاہیے کیونکہ یہی ایمان کا تقاضہ ہے۔ لیکن حدیثوں کے پردے میں کیا کچھ لکھا ہوا ہے اس سے کسی کو کوئی غرض نہیں۔ حضور ﷺ کا نام استعمال کر کے جو مرضی کوئی کہہ دے ہم من و عن اس پر ایمان لانے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ بس یہی ایک ہماری کمزوری ہے جس کا فائدہ اُس زمانے کے دشمنان اسلام نے بھی اٹھایا اور اب بھی اٹھا رہے ہیں۔

آگے چلنے سے پہلے ایک اشکال کا ازالہ ہو جانا چاہیے۔ ممکن ہے کہ کسی کے دل میں یہ شک گزرے کہ تَمَسُّوْھُنَّ کے معنی تو چھونے یا ہاتھ لگانے کے ہوتے ہیں خلوتِ صحیحہ کے نہیں۔ لیکن عام حالات میں تو یہ بات صد فیصد درست ہے مگر جب معاملہ نکاح، طلاق اور طلاق کی عدت کا ہو گا تو اس کے معنے صرف چھونے کے کرنا قرآن کی آیتوں کے ساتھ مذاق کرنے کے مترادف ہو گا یا پھر ترجمہ کرنے والا قرآن کی بلاغت کو ہی نہیں سمجھتا۔ اسی لئے آج تک جتنی تفسیریں اس لفظ کی ہوئی ہیں ان میں ہاتھ لگانے یا

چھونے کا مطلب لغوی لحاظ سے نہیں کیا گیا بلکہ اس کو کنایہ کے معنوں میں ہی لیا گیا ہے۔ مثلاً مولانا امین اصلاحیؒ اپنی تفسیر تدبرِ قرآن میں اس سے مراد تعلق زن و شوہر لیتے ہیں۔ حضرت مولانا قاضی ثناءاللہ عثمانی مجددی پانی پتیؒ اپنی تفسیر، تفسیرِ مظہری میں اس سے مراد جماع لیتے ہیں۔ مشہور تفسیر ابنِ کثیر میں یہ دخول کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ تفسیرِ جلالین میں تجامعو ھن کے معنوں میں لیا گیا ہے۔ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اپنی تفسیر، تفسیرِ عثمانی میں اسے مجامعت اور خلوتِ صحیحہ کے معنی پہنائے ہیں۔ حضرت پیر محمد کرم شاہ نے اپنی تفسیر ضیاءالقرآن میں اسکے معنی صحبت اور خلوتِ صحیحہ کے کئے ہیں۔ ڈاکٹر عبداللہ یوسف علی نے THE GLORIOUS QURAN میں اسکا ترجمہ Consummation of marriage کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد محسن خان اور ڈاکٹر محمد تقی الدین الہلالی نے اپنی تفسیر احسن الکلام میں اسکا ترجمہ sexual intercourse کیا ہے۔ Marmaduke Pickthall نے اسکا ترجمہ Cosummated کیا ہے۔ اور شاہ فہد قرآنِ کریم پرنٹنگ پریس سے شائع شدہ قرآن میں اس کے لئے خلوتِ صحیحہ یعنی ہم بستری کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

ہم پھر اسی استنباط کی طرف آتے ہیں جسکا ذکر اوپر ہو چکا۔ یہاں پر ہم اس کا جائزہ ذرا فنی اعتبار سے لیں گے۔ اس اعتبار سے یہ استنباط اس وقت صحیح ہوتا جب "وَالّٰٓئِی لَمۡ یَحِضۡنَ" کا مطلب نابالغ لڑکیاں ہوتیں۔ عربی گرائمر کی رو سے لَمۡ حرفِ نافیہ ہے جو فعل مضارع سے پہلے آتا ہے اور یہ جس فعل مضارع سے پہلے آتا ہے اسے تاکید کے ساتھ فعل ماضی منفی میں بدل دیتا ہے۔ مثلاً جیسے لَمۡ یَلِدۡ کا مطلب ہے اسنے قطعاً کسی کو نہیں جنا اور لَمۡ یُوۡلَدۡ کا مطلب ہے وہ قطعاً کسی سے نہیں جنا گیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ تاکید تب ہی کوئی معنی پیدا کرے گی جب فاعل اس فعل کے کرنے کا اہل ہو اور اس کے کرنے پر قادر ہو۔ مثلاً اگر چھ سالہ بچی کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اس نے قطعاً کسی بچے کو نہیں جنا تو جو سن رہا ہے وہ کہنے والے کو پاگل ہی خیال کرے گا کیونکہ چھ سالہ بچی تو بچہ پیدا کرنے کی اہل ہی نہیں ہوتی، پس یہ کہنا ہی بے معنی ہوگا کہ اس (چھ سالہ بچی) نے قطعاً کوئی بچہ نہیں جنا۔ اسی طرح یہ کہنا بھی بے معنی ہو جائے گا کہ نابالغ بچی کو قطعاً حیض نہیں آیا۔ اور اس قسم کے معنی قرآن سے کیسے اخذ کئے جا سکتے ہیں جبکہ ہم یہ مانتے ہیں کہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اللہ ایسی بے معنی باتیں نہیں کیا کرتا۔ اللہ کی بات ہمیشہ بامعنی، اٹل اور صاف ہوتی ہے

اب آیئے اصل مسئلے کی طرف لَمۡ یَحِضۡنَ کا اصل مطلب ہوگا کہ ایسی عورت جس کو کبھی حیض نہیں آیا حالانکہ عمر کے لحاظ سے وہ ایسی ہے کہ اس کو حیض آنا چاہیئے تھا۔ اس کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہو سکتا کہ اس سے مراد ایسی نابالغ بچی ہے جو ابھی حیض

آنے کی عمر کو پہنچی ہی نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے یَحِضْنَ سے پہلے لَمْ لگایا اور بتادیا کہ اس میں نابالغ بچیاں شامل نہیں ہیں۔ اگر ان میں نابالغ بچیاں شامل کرنا مقصد ہوتا تو اللہ تعالیٰ یَحِضْنَ سے پہلے لَا لگادیتے جس کا مطلب ہوتا وہ سب عورتیں جن کو ابھی تک حیض نہیں آیا ہے اور ان میں نابالغ بچیاں بھی شامل ہوتیں۔ تو ایسی صورت میں یہ استدلال جزوی طور پر صحیح ہوتا، جزوی طور پر اس لئے کہ پھر بھی لَا یَحِضْنَ میں وہ عورتیں شامل ہوتیں جن کو بالغ ہونے کے باوجود حیض نہیں آیا۔ پس یہاں وَالّٰئِی لَمْ یَحِضْنَ کا مطلب ہر گز ہر گز نابالغ لڑکی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اسکا مطلب ایسی عورتیں مراد ہوں گی جن کو کسی وجہ سے حیض نہیں آیا ہو (یعنی عمر کے لحاظ سے انہیں حیض آنا چاہئے تھا لیکن کسی وجہ سے مثلاً بیماری وغیرہ کی وجہ سے ان کو حیض نہیں آیا ہو)۔ ایسی بھی عورتیں ہیں جن کو ساری عمر حیض نہیں آتا، حالانکہ ان کے بچے بھی ہو جاتے ہیں۔

اب آیئے حدیث شریف کے حوالے کی طرف بخاری شریف کے باب نکاح میں قبیصہ بن عقبہ کے حوالے سے روایت بیان کی گئی ہے کہ ان سے سفیان نے بیان کیا اور ان سے ہشام بن عروہ نے اور ان سے عروہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے جب نکاح کیا تو ان کی عمر چھ سال کی تھی اور جب ان کے ساتھ خلوت کی تو ان کی عمر نو سال کی تھی اور وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ نو سال تک رہیں۔ اب وضاحت کرنے والے نے اس کی وضاحت بھی پیش کر دی کہ عرب جیسے گرم ملک میں عورتیں عموماً نو سال کی عمر میں بالغ ہو جایا کرتی ہیں تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ نو سال کی لڑکی کے ساتھ خلوت کیسے ہو گئی۔ یہاں پر عرض ہے کہ یہ وضاحت دینے کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں تھی جب مذکورہ روایت میں نابالغ لڑکی کے ساتھ قرآن کی رو سے خلوتِ صحیحہ کی اجازت ہے۔ یہ وضاحت کیوں پیش کی گئی اس لئے کہ ہمارے علماء کرام بھی دل سے یہ بات تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ نابالغ لڑکی کے ساتھ خلوتِ صحیحہ ہو سکتی ہے لیکن کیا کریں ہم میں وضعی حدیثوں کو بھی کو جھٹلانے کا حوصلہ موجود نہیں ہے باوجود اسکے ان کا وضعی ہونا ثابت ہو جائے۔ اور اگر وضاحت دینی ہی تھی تو پوری وضاحت دینی چاہئے تھی کہ عرب میں اس وقت کتنی لڑکیوں کی شادیاں اس عمر میں ہوئیں۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شادی تو انیس یا بیس سال کی عمر میں ہوئی تھی، سال دو سال کا فرق تو ہو سکتا ہے مگر یہ پورے دس گیارہ سال کا فرق سمجھ سے بالاتر ہے۔ اب یہ بات کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی نکاح کے وقت عمر چھ سال اور رخصتی کے وقت نو سال تھی اتنی زیادہ پھیل گئی اور ہم نے اس پر اتنا یقین کر لیا کہ اس

کے بارے میں کسی قسم کی تحقیق کی جائے اسکی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ لیکن کچھ اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جنہوں نے اس کی پوری طرح چھان بین کی اور اصل حقائق تک رسائی حاصل کر لی اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے۔

چھ اور نو سال کی روایت بخاری، طبری اور طبقات ابن سعد وغیرہ میں ملتی ہیں۔ دوسری طرف اسد الغابہ میں مذکور ہے کہ حضرت فاطمہؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پانچ سال بڑی تھیں۔ اور حضرت عباسؓ کے مطابق حضرت فاطمہؓ اس سال پیدا ہوئیں جس سال قریش خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے۔ اسد الغابہ میں ہی لکھا ہوا ہے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت حضور ﷺ کی عمرِ مبارکہ 35 سال کی تھی۔ تو گویا اس حساب سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی پیدائش کا سال وہ وقت بنتا ہے جس وقت حضور ﷺ کی عمر 40 سال کی تھی۔ یعنی حضور ﷺ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے 40 سال بڑے تھے۔

بخاری شریف کی ہی ایک روایت ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کہ جب نبی اکرم ﷺ پر مکہ میں **بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهٰى وَأَمَرُّ** (القمر:46) والی آیات نازل ہوئیں تو ان دنوں میں بچی تھی اور کھیلتی پھرتی تھی۔ سورۃ القمر ۵ نبوی میں نازل ہوئی تھی۔ اس وقت حضرت عائشہؓ کی عمر ضرور اتنی ہو گی کہ اس عمر کا واقعہ بعد تک یاد رہے، تو اس لحاظ سے بھی حضرت عائشہؓ کی عمر اس وقت کم از کم 5 یا 6 سال تو ہونی ہی چاہیئے۔ اور اس وقت حضور ﷺ کی عمر 45 سال تھی چونکہ واقعہ ۵ نبوی کا ہے۔ اس حساب سے بھی حضور ﷺ حضرت عائشہؓ سے زیادہ سے زیادہ 40 سال بڑے ہوئے۔ شادی کے متعلق اس بات پر تقریباً اتفاق ہے کہ ہجرت کے بعد 2 ہجری میں جنگ بدر کے بعد ہوئی جس وقت حضور ﷺ کی عمر 55 سال کی تھی۔ چونکہ حضور ﷺ حضرت عائشہؓ سے 40 سال بڑے تھے اس لئے حضرت عائشہؓ کی شادی کے وقت عمر کم از کم 15 سال تو بنتی ہی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ کی عمر کے بارے میں ایک اور شہادت بھی ہے اور وہ ہے صاحبِ مشکوٰۃ شیخ ولی الدین ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ خطیب کی جو اپنی کتاب اکمال فی اسماء رجال میں حضرت اسماءؓ (جو حضرت عائشہؓ کی بڑی بہن تھی) کو حضرت عائشہ سے دس سال بڑا بتاتے ہیں۔ انکی عمر سو سال بتائی گئی ہے اور انکا سال وفات 73 ہجری لکھا ہے۔ تو گویا ہجرت کے وقت انکی عمر 27 سال تھی اور حضرت عائشہؓ کی عمر اس حساب سے 17 سال بنتی۔ چونکہ حضرت عائشہؓ کی شادی ہجرت کے دوسرے سال ہوتی ہے اسلئے شادی کے وقت انکی عمر 19 سال بنتی ہے۔ تو ثابت ہوا کہ شادی کے وقت حضرت عائشہ صدیقہؓ کی عمر کم از کم 15 سال اور زیادہ سے زیادہ 19

سال کی تھی۔اس قسم کے فرق کو ہم اسلئے زیادہ وقعت نہیں دیتے کہ چونکہ اس وقت کوئی باقاعدہ کیلنڈر تو تھا نہیں۔ عمر کا حساب عموماً واقعات سے ہی لگایا جاتا تھا جن میں اتنے فرق کا امکان بہر حال رہے گا۔ہاں البتہ اتنی بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ شادی کے وقت حضرت عائشہ کی عمر نو سال نہیں تھی بلکہ کم از کم 15 سال سے زیادہ ضرور تھی۔ویسے بھی کوئی مسلمان اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ قرآن تو شادی کے لئے بلوغت کی شرط لگائے اور حضرت محمد ﷺ 6 سال کی لڑکی سے نکاح کریں۔

9۔متعہ کی حیثیت

مولانا صفی الرحمٰن سیرتِ طیبہ پر لکھی ہوئی کتاب موسوم بہ "الرّحیقُ المختوم" میں زمانہ جاہلیت میں نکاح کے چار طریقے بیان کرتے ہیں۔ ایک طریقہ وہ اشراف کا بتاتے ہیں اور اس کے علاوہ غیر اشراف لوگوں میں نکاح کے تین اور طریقے بھی رائج تھے۔وہ لکھتے ہیں کہ عرب میں طبقہ اشراف میں مرد و عورت کا تعلق خاصہ ترقی یافتہ تھا۔عورت کو بہت حد تک خود مختاری حاصل تھی۔اس کی بات مانی جاتی تھی اور اس کا اتنا احترام اور تحفظ کیا جاتا تھا کہ اس راہ میں تلواریں بھی نکل پڑتی تھیں اور خون ریزیاں ہو جاتی تھیں۔ عورت اگر چاہتی تو قبائل کو ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کر دیتی اور ان کے درمیان جنگ اور خون ریزی کے شعلے بھی بھڑکا دیتی تھی، اور اگر چاہتی تو قبائل میں صلح بھی کرا دیتی تھی۔ لیکن بایں ہمہ ان میں مرد کو ہی خاندان کا سربراہ مانا جاتا تھا۔اور اسی کی بات فیصلہ کن ہوا کرتی تھی۔اس طبقے میں مرد اور عورت کے درمیان تعلق عقدِ نکاح کے ذریعے ہی قائم ہوتا تھا۔اور یہ نکاح عورت کے اولیاء کے زیرِ نگرانی سرانجام پاتا تھا۔عورت کو یہ حق حاصل نہ تھا کہ وہ ولی کی ولایت کے بغیر اپنے طور پر خود سے نکاح کر لے۔

ایک طرف تو طبقہ اشراف کا یہ حال تھا تو دوسری طرف غیر اشراف طبقوں میں مندرجہ بالا اشراف والے طریقہ نکاح کے علاوہ بھی مرد و عورت کے اختلاط کی اور بھی کئی صورتیں تھیں، جنہیں بدکاری، بے حیائی، فحش کاری اور زناکاری کے علاوہ اور کوئی نام نہیں دیا جاسکتا۔ البتہ وہ ان کو بھی نکاح ہی تصور کرتے تھے۔ایک طریقہ تو استبضَاع کا تھا جو ہندوستان میں بھی نیوگ کے نام سے مشہور تھا۔اس طریقہ کے تحت مرد خود اپنی بیوی کو حیض سے پاک ہونے کے بعد کسی دوسرے شخص کے پاس بھیج دیتا تھا تاکہ وہ اس سے حاملہ ہو اور اس شخص سے حاملہ ہونے تک اس کا شوہر اس کے قریب نہیں جاتا تھا۔یہ اس لئے کیا جاتا تھا تاکہ لڑکا شریف اور با کمال پیدا ہو۔دوسرا طریقہ نکاح وہ تھا جسے کثیر شوہری (Polyandry) بھی کہا جاسکتا ہے۔ اس طریقہ کے تحت دس سے کم

اشخاص اکٹھے ایک عورت سے تعلقِ زناشوئی قائم کرتے تھے۔جب بچہ پیدا ہوتا تو عورت سب کو بلا بھیجتی اور ان سے کہتی کہ جو معاملہ آپ لوگوں کا تھا اسے آپ جانیں،اب چونکہ بچہ میرے بطن سے پیدا ہوا ہے،اسلئے اب مجھے اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ میں فیصلہ کروں کہ اس کا باپ کون ہے اور وہ جس کا نام لیتی بچہ اسی کا مان لیا جاتا تھا۔

تیسرا طریقہ نکاح رنڈیوں والا تھا،ایسی عورتیں اپنے دروازے پر جھنڈیاں گاڑے رکھتی تھیں تاکہ وہ نشانی کا کام دیں اور جو ان کے پاس جانا چاہے بے دھڑک ہو کر چلا جائے۔جب ایسی عورتوں کے بچہ پیدا ہوتا تھا تو کسی قیافہ شناس کو بلایا جاتا تھا۔وہ اپنے قیافہ کے مطابق اس بچے کو کسی بھی شخص کے ساتھ ملحق کر دیتا تھا۔پھر وہ اسی کا بچہ شمار ہوتا تھا،مجال نہیں ہوتی تھی وہ اس سے انکار کرتا۔ ان سب طریقوں کو نکاح اس لئے کہا جاتا تھا کہ بہر حال اولاد صاحب نسب ہوتی تھی اور اس کی پرورش کی ذمہ داری بھی متعین کر دی جاتی تھی ۔ یہاں پر اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ اوپر بیان کردہ دوسرے اور تیسرے طریقہ ہائے تعلقات میں مرد عورتوں کو کچھ معاوضہ ضرور دیتے ہوں گے تاکہ وہ اپنا گذر بسر کر سکیں جسکو وہ اجورہ کہتے ہوں گے اور مثل بمہر خیال کرتے ہوں گے۔یہیں سے شائد اجورہ مہر کے معنوں میں عربی لغت میں داخل ہو گیا جسکا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔دوسرے یہ کہ جھنڈیوں والا تیسرا طریقہ آج کل کے طریقہ جسم فروشی(Prostitution)کے طریقہ کے بالکل مثل تھا۔لیکن ان دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ جھنڈیوں والے طریقہ میں بچے کی ذمہ داری کا تعین ہوتا تھا جو اس جسم فروشی(Prostitution)کے طریقہ میں ممکن ہی نہیں ہے۔اس سے یہاں پر صرف اتنا کہنا مقصود ہے کہ (Prostitution)تو جھنڈیوں والی رنڈیوں سے بھی زیادہ قبیح ہے۔جب اللہ تعالی نے حضرت محمدؐ ﷺ کو مبعوث فرمایا تو جاہلیت کے سارے نکاح منہدم کر دئے۔ صرف اشراف والے طریقہ کو ایک معمولی سی ترمیم کے بعد باقی رکھا اور وہ یہ کہ ولی کی اجارہ داری کہ وہ عورت کا کلی مختار ہے ختم کر دی گئی اور عورت کی رضامندی کو نکاح کی لازمی شق قرار دیا جس کے بغیر نکاح ہو ہی نہیں سکتا۔

اوپر بیان کردہ زمانہ جاہلیت کے نکاحوں کے علاوہ اور کسی قسم کے نکاح کا ذکر اس زمانے میں نہیں ملتا،تو پھر متعہ جو ایک وقتی نکاح کی شکل بتائی جاتی ہے اس کا ذکر زمانہ جاہلیت کے نکاحوں میں کیوں نہیں ہے۔دراصل متعہ کو تو زمانہ جاہلیت میں بھی نکاح نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ یہ بھی رنڈی بازی(بغیر بچے کی ذمہ داری کے)کی طرح زنا ہی کی ایک قسم سمجھی جاتی تھی جسے زمانہ جاہلیت کے لوگ نکاح ماننے کے لئے تیار ہی نہیں تھے۔کیونکہ نکاح تو بچے کی ذمہ داری کو متعین کرتا ہے۔متعہ کے اندر ایسی کوئی صورت پائی ہی نہیں

جاتی۔ متعہ کو آج کل کی مروجہ اصطلاح میں (Call girl) کے طریقہ سے تشبیہ دے لیجئے۔ جیسا کہ روایات میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص وطن سے دور جاتا تو وہ اپنے میزبان سے درخواست کرتا کہ میرے لئے کسی ایسی عورت کا انتظام کرو جو ایک یا دو رات میرے ساتھ گزار سکے۔ یا پھر خود جا کر کسی رنڈی کو تلاش کر لیتا اور وہ اس کو کچھ معاوضہ دے دیتا جیسا کہ چادر یا کوئی اور کپڑا وغیرہ۔ جب لوگ جنگوں میں کئی کئی مہینے گھر سے دور رہتے تھے کسی بیسوا کے پاس دو تین رات گزار لیتے اپنی جنسی تسکین کے لئے اور اس کے بدلے میں وہ اس کو کچھ معاوضہ دے دیتے (جیسے موجودہ دور کی جنگوں میں امریکی اور یورپین جنگی سپاہیوں کے قصے مشہور ہیں)۔ بس یہی ایک ذمہ داری ہوتی تھی نہ کوئی اور مستقل ذمہ داریاں اور نہ اولاد مطلوب۔ بھلا ایسے طریقے کو کھلا زنا نہ کہا جائے تو اور کیا کہا جائے۔ اسکو تو جاہلیت کے لوگ بھی زنا ہی تصور کرتے تھے کجا کہ اشراف لوگ اسکو نکاح مانیں۔ پس یہی وجہ ہے اسکو سرے سے نکاح ہی نہیں مانا جاتا تھا۔

اب اگر کوئی کہے کہ متعہ کی ممانعت کا قرآن میں ذکر کیوں نہیں آیا، ممانعت کا ذکر تو تب آتا جب وہ اس کو نکاح تصور کرتا اس نے تو زمانہ جاہلیت کے باقی تین قسم کے نکاحوں کو بھی نکاح نہیں مانا جس کو وہ لوگ نکاح مانتے تھے۔ متعہ کو وہ کیسے نکاح مانتا جبکہ زمانہ جاہلیت لوگ بھی اس کو نکاح نہیں، زنا ہی تصور کرتے تھے۔ قرآن نے تو ان تینوں نکاحوں کو بھی اور متعہ کو بھی زنا ہی کہا ہے اور زنا کے بارے میں قرآن میں احکامات موجود ہیں۔ نکاح کی ایک ہی قسم ہے اور اسکی پوری تفصیل قرآنِ پاک میں موجود ہے۔ اب ذرا آگے چلیں جب غیر اشراف لوگ بھی متعہ کو زنا مانتے تھے تو اشراف لوگ متعہ کو کیسے نکاح مانتے۔ اور جو اشرف الاشراف لوگ تھے یعنی حضرت محمد ﷺ اور انکے جان نثار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جماعت، وہ مبارک اور سعید روحیں متعہ کو کیسے جائز جانتیں۔ اس میں کسی کو ایک ذرہ برابر بھی شبہ نہیں ہونا چاہیئے اور نہ ہی اس میں شبہ کی کوئی گنجائش موجود ہے۔ کیا وہ قرآن کی منشاء اور دین کی روح سے اتنے ناواقف ہو سکتے تھے العیاذ باللہ۔

اب آئیں ان روایات کی طرف جن کی نسبت حضور ﷺ اور اکابر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف کی گئی ہے کہ انہوں نے متعہ کی اجازت دی اور پھر اس سے منع فرمایا۔ مسلم شریف میں ایک پورا باب نکاحِ متعہ پر لکھا گیا ہے جس میں کتاب 8 میں پینتیس روایات نقل کی گئی ہیں۔ ان میں سے چند روائتیں نیچے نقل کی جاتی ہیں جو سراسر مبنی بر دروغ ہیں۔

حدیث 3243 : عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک معرکہ میں حضورﷺ کے ساتھ تھے اور ہمارے ساتھ کوئی عورت نہیں تھی۔ ہم نے کہا، کیا ہم اپنے آپ کو خصی نہ کرلیں۔ انہوں نے ہمیں ایسا کرنے سے منع فرمایا اور ہمیں اجازت دی کہ ہم ایک متعینہ مدت کے لئے کسی کپڑے وغیرہ کے بدلے کسی عورت سے متعہ کرلیں اور پھر عبداللہ ابن عباس نے یہ آیت تلاوت کی کہ جو طیب چیزیں اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں ان کو اپنے لئے حرام نہ کرو (المائدہ: 87)۔

حدیث 3246 : جابر بن عبداللہ اور سلمہ بن الاکواع نے کہا کہ اللہ کے رسولﷺ کے ایک منادی نے ندا دی کہ اللہ کے رسول نے تم کو عورتوں سے عارضی نکاح متعہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی ہے۔

حدیث 3247 : سلمہ بن الاکواع اور جابر بن عبداللہ نے روایت کی ہے کہ اللہ کے رسولﷺ ہمارے پاس آئے اور ہمیں عارضی نکاح متعہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔

حدیث 3248 : ابن عریج نے عطی سے روایت کیا کہ جابر بن عبداللہ عمرے کے لئے آئے تو ہم ان کی رہائش پر گئے۔ لوگوں نے ان سے مختلف باتیں پوچھیں پھر انہوں نے عارضی نکاح متعہ کے بارے میں پوچھا جس پر انہوں نے فرمایا کہ ہاں حضور اکرمﷺ کے زمانے میں اور حضرت ابی بکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانے میں متعہ سے لطف اندوز ہوتے تھے۔

حدیث 3249 : جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ہم مٹھی بھر آٹے کے عوض بطورِ مہر حضور اکرمﷺ اور حضرت ابی بکرؓ کے زمانے میں متعہ سے لطف اٹھاتے تھے یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عامر بن حریث کے معاملے میں منع کردیا۔

حدیث 3250 :ابو نادرا نے روایت کیا جب میں جابر بن عبداللہ کی معیت میں تھا تو ایک شخص اس کے پاس آیا اور کہا کہ ابن عباس اور ابن زبیر دو قسم کے متعہ کے بارے میں اختلاف رکھتے تھے، ایک حج کا تمتع اور دوسرا عورت سے تمتع۔ جس پر جابر نے کہا ہم یہ دونوں حضور اکرمﷺ کی زندگی کے دوران کیا کرتے تھے۔ پھر حضرت عمرؓ نے ان سے منع فرمایا اور پھر ہم نے انکو نہیں کیا۔

حدیث 3251: الیاس بن سلامہ نے اپنے باپ سے روایت کیا کہ اللہ کے رسول نے تین راتوں کے لئے متعہ کی اجازت اوطاس کے موقع پر دی اور اسکے بعد منع کر دیا۔

حدیث 3252: سبرا جوہانی نے روایت کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں متعہ کی اجازت دی۔ میں اور ایک شخص باہر نکلے بنی عامر کی ایک عورت کو دیکھا جو ایک جوان لمبی گردن والی اونٹنی کی مانند تھی۔ ہم نے اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کیا۔ اس نے کہا تم مجھے کیا اجرت دو گے۔ میں نے کہا اپنی شال دونگا۔ میرے ساتھی نے بھی کہا میں بھی اپنی شال دونگا۔ میرے ساتھی کی شال میری شال سے قیمتی تھی لیکن میں اس سے جوان تھا۔ جب اس نے میرے ساتھی کی شال کو دیکھا تو اس نے شال کو پسند کیا لیکن جب اس نے مجھ پر نظر ڈالی تو میں اسے زیادہ پسند آیا۔ پھر اس نے کہا کہ تم اور تمہاری شال میرے لئے کافی ہے۔ میں اس کے ساتھ تین رات رہا، اور پھر اللہ کے رسول ﷺ نے کہا کہ جو کوئی بھی کسی عورت کے ساتھ متعہ کے معاہدے میں ہو وہ اسے آزاد کر دے۔

حدیث 3253: ربیع بن سبرا نے روایت کیا کہ انکے والد نے بتایا کہ فتح مکہ کے موقع پر ہم، اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ایک مہم پر گئے اور ہم وہاں پر پندرہ دن ٹھہرے۔ اللہ کے رسول نے ہمیں عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے کی اجازت دی۔ پس میں اور میرے قبیلہ کا ایک اور شخص باہر گئے، میں اس سے زیادہ خوب صورت تھا جبکہ وہ بد صورت تھا۔ ہم دونوں کے پاس ایک ایک شال تھی۔ میری شال پرانی اور میرے ساتھی کی شال بالکل نئ تھی۔ ہم مکہ کے زیریں اور بالا اطراف میں گئے۔ ہمیں ایک جوان عورت ملی جو بڑی جوان، سمارٹ اور لمبی گردن والی اونٹنی کی مانند تھی۔ ہم نے کہا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم میں سے ایک تیرے ساتھ متعہ کا معاہدہ کرے۔ اسنے کہا تم مجھے کیا اجرت دو گے۔ ہم میں سے ہر ایک نے اپنی شال کو پیش کیا۔ اس نے ہم دونوں پر ایک نگاہ ڈالی۔ میرے ساتھی نے بھی اسے دیکھا اور کہا میرے ساتھی کی شال پھٹی پرانی ہے جبکہ میری شال بالکل نئ ہے۔ اس عورت نے کہا دو بار یا تین بار، اس پرانی شال کو قبول کرنے میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ پس میں نے اس کے ساتھ متعہ کیا اور میں اس کے پاس سے اس وقت تک نہ آیا جب تک کہ اللہ کے رسول ﷺ نے متعہ کو منع نہیں کر دیا۔

حدیث 3255: سبرا الجوہانی نے اپنے والد سے روایت کیا کہ جب وہ اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تھے، تو انہوں نے کہا اے لوگو! میں نے تمہیں عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے کی اجازت دی تھی لیکن اللہ نے اسے اب قیامت تک کے دن تک ممنوع قرار

دے دیا ہے۔ پس اگر کسی کے پاس کوئی ایسی عورت ہو جس کے ساتھ تمہارا متعہ کا معاہدہ ہو تو وہ اسے آزاد کردے اور جو تم نے اس کو معاوضہ دیا تھا اسے واپس نہ لیا جائے۔

حدیث 3257: عبدالمالک بن ربیع بن سبرا الجوہانی نے اپنے والد سے روایت کیا اور اسنے اپنے والد (عبدالمالک کے دادا سبرا الجوہانی) سے رویت کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے نکاح متعہ کی اجازت فتح والے سال میں دی جب ہم مکہ میں داخل ہو رہے تھے اور ہم اس سے باہر آئے تو ہمیں اس سے منع کر دیا گیا۔

حدیث 3258: سبرا ابن معبد نے روایت کی کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو عورتوں کے ساتھ نکاح متعہ کرنے کی فتح کے سال اجازت دی۔ پس میں اور بنو سلیم کا ایک میرا دوست باہر نکلے، یہاں تک کہ ہم کو بنو عامر کی ایک نوجوان عورت ملی جس کی لمبی گردن جوان اونٹنی کی مانند تھی۔ ہم نے اسے نکاح متعہ کرنے کی تجویز پیش کی اور بطور معاوضہ اپنی شالیں اس کو پیش کیں۔ اسنے دیکھنا شروع کیا اور مجھے میرے دوست کی نسبت زیادہ خوب صورت پایا، لیکن میرے دوست کی شال کو میری شال سے زیادہ خوب صورت خیال کیا۔ اسنے تھوڑی دیر سوچا پھر مجھے میرے دوست پر ترجیح دی۔ پس میں اس کے ساتھ تین رات رہا۔ اور پھر اللہ کے رسول ﷺ نے ایسی عورتوں سے علیحدہ ہونے کا حکم دیا۔

حدیث 3261: عروہ بن زبیر روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیرؓ مکہ میں (خطاب کرنے کے لئے) کھڑے ہوئے اور کہا اللہ نے لوگوں کے دل اندھے کر دیئے ہیں اور ان کی آنکھوں کی بینائی سلب کر لی ہے کہ وہ نکاح متعہ کے حق میں فتویٰ دیتے ہیں اور وہ اصل میں ابن عباس سے مخاطب ہو رہے تھے۔ ابن عباس نے انہیں بلایا اور کہا تم بڑے گستاخ ہو گئے ہو اور تم عقل و فہم سے عاری انسان ہو۔ مجھے میری زندگی کی قسم متعہ تو پاکیزہ ترین رہبر یعنی اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں بھی کیا جاتا تھا۔ ابن زبیر نے کہا تو پھر خود ہی کرتے رہو اور خدا کی قسم اگر تم یہ کرو گے تو میں تمہیں سنگسار کروں گا۔ ابن شہاب نے کہا کہ اسے خالد بن مہاجر بن سیف اللہ نے بتایا کہ جب میں ایک شخص کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، ایک اور آدمی آیا اور اس نے متعہ کے بارے میں فتویٰ طلب کیا تو اس نے اسے کرنے کی اجازت دے دی۔ ابن ابو عامرہ الانصاریؓ نے کہا کچھ تو حیا کرو۔ اس کی اجازت تو اسلام کے شروع کے دور میں تھی اور وہ بھی اضطراری کیفیت میں جیسے آدمی اگر بھوک کی وجہ سے مر رہا ہو تو اسے مردار، خون یا سور کا گوشت کھانے کی اجازت ہوتی ہے۔ پھر اللہ

نے اپنے احکام میں سختی کر دی اور اسے بھی منع کر دیا۔ابن شہاب نے روایت کیا ہے کہ ربیع بن سبرا نے مجھے بتایا کہ اس کے والد (سبرا) نے بتایا کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں بنو عامر کی ایک عورت کے ساتھ دو شالوں کے بدلے متعہ کیا تھا۔ پھر انہوں نے متعہ کو ممنوع قرار دے دیا۔ابن شہاب نے کہا کہ میں نے ربیع بن سبرا کو یہ روایت عمر بن عبد العزیز سے کرتے ہوئے خود سنا جبکہ میں خود وہاں پر بیٹھا ہوا تھا۔

حدیث 3263: علی ابن طالب روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں سے عارضی نکاح متعہ اور پالتو گدھے کا گوشت کھانے سے غزوہ خیبر کے دن منع فرمایا۔

حدیث 3267: علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے خیبر کے دن عارضی نکاح متعہ اور پالتو گدھے کا گوشت کھانے سے ہمیشہ کے لئے منع فرمایا۔

بخاری شریف میں ہے کہ: مالک بن اسماعیل، ابن عیینہ، زہری، حسن بن محمد بن علی اور اس کے بھائی عبد اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ حضرت علیؓ نے ابن عباسؓ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے زمانہ جنگ میں متعہ اور گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

بخاری شریف میں ہے کہ: علی، سفیان، عمرو، حسن بن محمد، جابر بن عبد اللہ اور سلمہ بن اکوع کہتے ہیں کہ ہم ایک لشکر میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمارے پاس آکر ارشاد فرمایا کہ متعہ کی اجازت دے دی گئی ہے۔ تم متعہ کر لو (بخاری کہتے ہیں کہ) سلمہ بن اکوع کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر مرد و عورت باہم موافق ہو جائیں تو تین راتوں کے لئے باہم عشرت کرنا جائز ہے۔اس کے بعد اگر پھر کمی زیادتی کرنا چاہیں تو مختار ہیں۔ نا معلوم یہ ہمارے لئے مخصوص تھا یا سب کے لئے جائز تھا۔ (ابو عبد اللہ بخاری کہتے ہیں کہ) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حکم کے منسوخ ہونے کو نبی ﷺ سے روایت کیا ہے۔

بخاری شریف میں ہے کہ: محمد بن بشار، غندر، شعبہ، ابی حمزہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح متعہ کا مسئلہ پوچھا تو انہوں نے اسے جائز بتایا۔ان کے آزاد کئے ہوئے غلام نے کہا یہ تو جب تھا کہ سخت ضرورت ہوتی اور عورتیں کم ہوتیں، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہاں۔

ترمذی شریف میں حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا گیا ہے، کہ متعہ شروع اسلام میں تھا۔ جب کوئی شخص ایسی بستی میں جاتا تھا جہاں اس کی کوئی شناسائی نہ ہوتی تھی، تو جتنی مدت اس کو وہاں ٹھہرنا ہوتا تھا اتنی مدت کے لئے وہ کسی عورت سے نکاح کر لیتا تھا۔ عورت اس کے سامان کی حفاظت کرتی اور اس کی ضروریات ٹھیک کرتی تھی۔ یہاں تک کہ آیت "اِلَّا عَلٰی اَوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ" نازل ہوئی۔

تفسیرِ مظہری میں ہے کہ: صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اجازت دی کہ مقررہ مدت کے لئے عورت سے نکاح کیا جاسکتا ہے۔ پھر ابن مسعودؓ نے یہ آیت تلاوت کی "یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبَاتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ"

تفسیرِ مظہری میں ہے کہ: "فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ" کی تفسیر میں ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ آیت متعہ کے متعلق ہے۔ عبدالرزاق نے مصنف میں بروایت ابن جریج عطاء کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اب بھی متعہ کو حلال جانتے تھے۔ اور وہ فرماتے تھے کہ حضرت ابی کعبؓ کی قرات میں یہ آیت یوں ہے۔ "فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ اِلٰی آجَلٍ الْمُسَمّٰی فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ"، یعنی تم نے ان سے ایک متعینہ مدت تک فائدہ اٹھایا سو انکا مہر ادا کرو۔ یعنی متعہ کے لئے مدت کا تعین بھی کر دیا اور مہر کا بھی۔ اور وہ فرماتے تھے کہ عمرؓ پر اللہ رحم فرمائے، متعہ اللہ کے بندوں پر اللہ کی ایک رحمت تھی اور اگر یہ جاری رہتی تو کبھی کسی کو زنا نہ کرنا پڑتا۔

تفسیرِ مظہری میں ہے کہ: نسائی اور طحاوی نے لکھا ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا (جو چار رشتوں سے محترم جانی جاتی ہے یعنی بنت حضرت صدیق ابو بکرؓ، خواہر نسبتی حضور ﷺ، زوجہ محترمہ صحابی رسول ﷺ حضرت زبیر بن عوامؓ اور والدہ محترمہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ) نے فرمایا کہ ہم نے زمانہ رسول میں ایسا کیا تھا۔

تبصرہ اور تجزیہ: اوپر بیان کردہ (بالفاظ حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ: یہ امت روایات میں کھو گئی۔ حقیقت خرافات میں کھو گئی) خرافات پر تبصرہ اور انکا تجزیہ کرنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین رہے کہ نہ تو یہ خرافات حضور ﷺ کے زمانہ میں مدون ہوئیں اور نہ ہی خلافت راشدہ کے دور میں کسی میں اتنی ہمت تھی کہ وہ ایسی خرافات کو زیر تحریر لاتا۔ حتّٰی کہ خلافتِ بنوامیہ

کے دور کے اختتام (حضور کی وفات کے ڈیڑھ سو سال بعد) تک کسی کو یہ خرافات بیان کرنے یا لکھنے لکھانے کی جرات نہ ہوئی۔ یہ خرافات حضور کی وفات کے اڑھائی سو سال بعد مدون ہونی شروع ہوئیں جب کوئی صحابی تو کیا تبع تابعین میں سے بھی کوئی شخص زندہ نہیں تھا۔ یہ وہ دور تھا جب ایک طرف شہادت کا جذبہ مالِ غنیمت سمیٹنے اور کشور کشائی تک محدود ہو چکا تھا۔ کیونکہ حضرت علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ہی الفاظ میں ''شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی'' کا جذبہ مفقود ہو چکا تھا۔ اہل علم حضرات ان کشور کشاؤں کو خوش کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ رسمِ غلامی کو دوبارہ سے زندہ کرنے اور خاص طور پر کنیزوں ، لونڈیوں اور نو خیز نابالغ بچیوں (جو مال غنیمت سے حاصل ہوتی تھیں) کو ان کے لئے مباح قرار دینے پر اپنی توانایاں صرف کر رہے تھے۔ نابالغ بچیوں کے نکاح (جس پر بحث پچھلے باب میں گزر چکی) کے سلسلے میں یہ کوشش صاف طور پر نظر آتی ہے۔ رسمِ غلامی کے دوبارہ احیاء کے بارے میں لونڈیوں سے تمتع کے باب میں یہ کوشش عیاں ہو جائے گی۔ ایسے میں متعہ کے لئے بھی کوئی شرعی جواز تو گھڑنا ہی تھا۔ لیکن دوسری طرف دشمنانِ اسلام ہر جنگی محاذ پر مسلمانوں سے شکست کھا جانے کے بعد اسلام کی نظریاتی سرحدوں پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ اوراس طرح کی وضعی حدیثین گھڑ گھڑ کر ان علماء کی گویا مدد کر رہے تھے جو اپنے آقاوں کو خوش کرنے کی سر توڑ کوشش میں لگے ہوئے تھے۔

اب آئیں مندرجہ بالا روایات یا خرافات کے بارے میں۔ یہ بات ان رویات سے صاف عیاں ہے کہ ان دشمنان اسلام نے اسلام کی نظریاتی سرحدوں کو نشانہ بنانے کے لئے سب سے پہلے بانی اسلام حضرت محمد ﷺ اور انکے معاونین و مصاحبینِ خاص حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو منتخب کیا۔ حتیٰ کہ ایک صحابیہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی نہ بخشا۔ قرآن کی آیت میں قرآت کے اختلاف کے نام پر تحریف کرنے کی ناپاک اور ناکام کوشش کی اوراس سے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ متعہ کی تو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بھی اجازت دی تھی لیکن مسلمانوں نے مذکورہ آیت سے اِلیٰ آجَلٍ المُسَمّٰی کو باہر نکال کیا۔ لیکن ایک عام آدمی بھی اسے سمجھ سکتا ہے کہ اِلیٰ آجَلٍ المُسَمّٰی کا اضافہ کوئی قرآت کا اختلاف نہیں تھا بلکہ یہ تو آیت میں اضافہ تھا۔ یہ اس قرآن میں کیسے داخل ہو سکتا تھا جسکی حفاظت کا ذمہ خود خدا نے اٹھایا ہو۔

مندرجہ بالا روایات میں اندرونی تضاد بھی موجود ہے۔ کسی نے کہا متعہ شروع اسلام میں ہی منع ہو گیا تھا، کسی نے کہا اسکی اجازت اضطراری طور پر دی گئی (حالانکہ جیسے پہلے ہی بتایا جا چکا ہے کہ انسان کی جنسی تسکین کے سلسلے میں اضطرار کا اطلاق نہیں

ہوتا)، کسی نے کہا خیبر کے موقع پر منع ہوا کسی نے کہا اوطاس کے موقعہ پر، کسی نے فتح مکہ کے بعد ممانعت کی خبر دی، کسی نے کہا یہ تو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور تک جاری رہا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے منع کیا۔ کوئی تو یہاں تک چلا گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد بھی یہ جاری رہا۔ کسی نے روایت کیا کہ حضرت ابن عباس آخری عمر تک متعہ کے قائل تھے اور کسی نے کہا کہ انہوں نے آخری عمر میں رجوع کر لیا تھا۔ اب کونسی بات صحیح مانی جائے اور کونسی بات غلط۔

مزید آگے چلیں، متعہ میں کون سی چیز ہے جو نکاح سے مماثلت رکھتی ہو۔ اوپر بیان کردہ کسی بھی روایت میں یہ وضاحت نہیں ہے کہ متعہ شوہر والی عورت سے کرنا ہے یا نہیں جبکہ قرآن میں نکاح کے بارے میں صاف بتایا گیا ہے شوہر والی عورت کے ساتھ سوائے دو مستثنیات کے نکاح حرام ہے۔ مہر کا کہیں ذکر نہیں سوائے معاوضے کے اور اوپر بتایا جا چکا کہ مہر اجرت یا معاوضے کو نہیں کہتے۔ گواہوں کی بھی ضرورت نہیں، متعہ سے نہ وراثت میں حصہ اور نہ مطلوب اولاد کا پیدا کرنا۔ نہ نان نفقہ کی ذمہ داری اور نہ اولاد کی پرورش کی۔ سوائے وقتی لذت کے اور اس وقتی لذت کا معاوضہ یہی متعہ کا مقصد ہے۔ تو یہ تو صاف زنا ہوا نکاح تو نہ ہوا جس کا ذکر مذکورہ راویات میں نکاح متعہ کے نام سے کیا جاتا ہے۔ بھلا سوچیں کہ ایک عام فہم آدمی اسکو نکاح مانے گا وہ یہی کہے گا یہ تو کھلی Prostitution ہے جس کی آج کی مہذب دنیا بھی اجازت نہیں دیتی۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ جو دنیا کی پاکیزہ ترین ہستی تھی اور انکی جماعت جو سارے زمانوں کے انسانوں (انبیاء کرام علیہ السلام کو چھوڑ کر) سے اشرف تھے وہ متعہ کی اجازت دیں گے یا خود اس میں مبتلا ہونگے یا اس کے جواز کا فتویٰ ارشاد فرمائیں گے۔ یہ سب ان کے پاک ناموں پر بہتانوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ مندرجہ بالا روایات کو سوائے رومانوی جنسی افسانچوں (بالکل ایسے ہی افسانے آپ کو مغربی افسانہ نگاروں کے ہاں ملیں گے) یا لہو الحدیث کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ انکو ہم احادیثِ رسول ﷺ سے تعبیر تو نہیں کر سکتے کیونکہ یہ کسی صورت میں بھی احادیث رسول کے معیار پر پورا نہیں اترتیں۔ حضور اکرم ﷺ کی ایک صحیح حدیثِ مبارکہ ہے کہ **"تکثر لکم الاحادیث بعدی فماروی لکم حدیث عنی فاعرضوہ علٰی کتاب اللہ فماوافقوہ فاقبلوہ وما خالفوہ فردوہ"** ترجمہ: میرے بعد حدیثوں کی بڑی کثرت ہو گی، اس لئے جو قول میری طرف منصوب کر کے تمہارے سامنے روایت کیا جائے اُس کو کتابُ اللہ کے سامنے پیش کرو، جو اُس کے موافق ہو اُس کو قبول کرو' جو کتابُ اللہ کے خلاف ہو' اس کو رد کر دو۔ پس ان سب روایات کو اسی بنا پر رد کیا جاتا ہے۔

ہمارے ارباب علم ودانش سے بھی گذارش ہے کہ ایسے نازیبا مواد کو جو نہ صرف غلط ہے بلکہ اسلام کی بدنامی کا سبب بھی بن رہا ہے، اپنی کتابوں میں سے نکال باہر کریں کجا یہ کہ ایسے مواد پر تبصرے کئے جائیں۔

10۔لونڈیوں سے جنسی تمتع

بہت سارے لوگ آج بھی لونڈیاں رکھنے کے حق میں ہیں اور ان کا استدلال یہ ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں لونڈیاں رکھنے کا رواج تھا جس کا ذکر بہت سارے مقامات پر قرآن پاک میں بھی آیا ہے، اس لئے لونڈیاں رکھنے کی اسلام میں اجازت ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ خطہ عرب میں بعثت نبوی کے وقت غلام اور لونڈیاں معاشرے کا ایک جزو لا ینفک تھے۔ باہر غلام کام کیا کرتے تھے اور گھر میں لونڈیاں جنسی تمتع کا ذریعہ تھیں۔ان کی معیشت اور معاشرت کی عمارت غلامی کی انہی بنیادوں پر استوار تھی۔ اسلام جس کا مقصد ہی انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں لانا تھا ظاہر ہے وہ اس غلامی کی روایت کو کس طرح سے برداشت کر سکتا تھا۔ لیکن اس رسمِ غلامی کو کس طرح ختم کیا جائے اس سلسلے میں قرآن کے سامنے دو سوال تھے۔ اولاًان موجودہ غلام اور لونڈیوں کے چھٹکارے کی صورت کیا ہو اور ثانیاً آئندہ کے لئے غلامی کا یہ دروازہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا جائے۔ ظاہر ہے ان تمام غلام اور لونڈیوں کو ایک ہی دن میں ختم تو نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اگر قرآنِ ان تمام غلام اور لونڈیوں کو بیک جنبشِ قلم ایک ہی دن میں ختم کرنے کا حکم دے دیتا تو اس سے نا صرف یہ کہ معاشرے میں ایک زبردست معاشی اور معاشرتی انتشار (Anarchy) پیدا ہو جاتا بلکہ اتنی بڑی تعداد میں یہ غلام اور لونڈیاں یک دم کس طرح سے اپنے آپ کو معاشرے میں جذب کر پاتے۔ اس کے لئے قرآن نے ایک تدریجی حکمتِ عملی اختیار کی جس سے وہ آہستہ آہستہ آزاد معاشرے کا حصہ بنتے چلے گئے۔پہلے تو ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ ''وَاعۡبُدُوا اللّٰہَ وَ لَا تُشۡرِکُوۡا بِہٖ شَیۡئًا وَّ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا وَّ بِذِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡیَتٰمٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنِ وَ الۡجَارِ ذِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡجَارِ الۡجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالۡجَنۡۢبِ وَ ابۡنِ السَّبِیۡلِ ۙ وَ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنۡ کَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرَا'' (النساء:36)۔ ترجمہ: اور بندگی کرو اللہ کی اور نہ شریک بناؤ اس کا (کسی کو) ذرا بھی، اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو، اور رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، رشتہ دار ہمسایوں، بیگانہ ہمسایوں، پاس کے اٹھنے بیٹھنے والوں، مسافروں اور ان

کے ساتھ بھی جن کے مالک ہوئے تمہارے دائیں ہاتھ (تمہارے ماتحت کام کرنے والوں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک کرو)۔بے شک اللہ نہیں پسند کرتاان لوگوں کوجو ہوں مغروراور شیخی بگھارنے والے۔

انہیں اس بات کا حق دیا گیا کہ اگروہ چاہیں تو کچھ فدیہ دیکرپروانہ آزادی حاصل کرلیں۔خود مسلمانوں کواس بات کی بھی ہدایت کی گئی کہ اگر تمہارے غلام اور لونڈیاں نکاح کرنا چاہیں توانہیں اپنے دنیاوی مفاد کے پیشِ نظر نکاح کرنے سے مت روکواوران کوبدکاری پر مجبور نہ کرو۔سورہ النّور میں ہے "وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيرًا وَاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْ اٰتٰكُمْ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنيَا وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيمٌ۔" (النّور:33)۔ترجمہ:اور جو خواہش رکھتے ہوں مکاتبت کی (معاہدہ آزادی) کی تمہارے غلام اور لونڈیوں میں سے،توان سے مکاتبت (یعنی ان سے معاہدہ کر کے ان کو آزاد کر دو) کرلو اگر پاؤ تم ان میں بھلائی،(یہ بھی کہ تم ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو کچھ مال دیکر) اور دو تم ان کو اللہ کے مال میں سے جو اس نے تمہیں دیا ہے،اور نہ مجبور کرو تم اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر جبکہ وہ چاہتی ہو پاک دامن رہنا،اس غرض سے کہ حاصل کرو تم دنیاوی زندگی کا فائدہ،اور جو کوئی ان کو مجبور کرے گا تو بے شک اللہ ان کو بعد اس کے کہ وہ مجبور کی گئیں معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔اور مسلمانوں کواس بات کی ترغیب دی گئی کہ بعض کوہتاہیوں کے کفارہ کے طور پر وہ غلام آزاد کریں۔مثلاً ظہار کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا ہے۔

جو مال اللہ کے راستے میں صرف کیا جائے اس کا ایک مصرف غلاموں کی گردن چھڑوانا یعنی انہیں آزادی دلوانا بھی بتلایا گیا ہے۔"وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ" (البقرۃ:177)۔ ترجمہ:اور دیتے ہیں مال اس کی محبت میں،رشتہ داروں کواور یتیموں کواور مسکینوں کواور مسافروں کواور مانگنے والوں کواور (غلاموں اور قیدیوں کی) گردن چھڑوانے (آزاد کروانے) کے لئے۔زکوٰۃ کے قرآنِ پاک میں آٹھ مصرف گنوائے گئے ہیں ان میں سے ایک مصرف غلاموں کی آزادی بھی بتایا گیا۔"اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَلْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِى الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ" (التّوبہ:60)۔ترجمہ:بے شک صدقات تودراصل فقراءومساکین کے لئے ہیں اور (ان کے لئے ہیں) جو مامور ہیں صدقات کے کام پر،اور (ان کے لئے) جن کی تالیفِ قلب مطلوب

ہو،اور(غلاموں اور قیدیوں کی) گردنوں کے چھڑوانے(انکو آزاد کروانے)اور قرضداروں کی مدد کرنے اوراللہ کی راہ میں اور مسافر نوازی میں(خرچ کرنے کے لئے ہیں)،یہ فریضہ ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ خوب جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے۔

لونڈیوں کے ساتھ نکاح کی بھی ترغیب دی گئی ''وَمَنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ مِنۡکُمۡ طَوۡلًا اَنۡ یَّنۡکِحَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ فَمِنۡ مَّامَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ مِّنۡ فَتَیٰتِکُمُ الۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ وَ اللّٰہُ اَعۡلَمُ بِاِیۡمَانِکُمۡ ؕ بَعۡضُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۚ فَانۡکِحُوۡہُنَّ بِاِذۡنِ اَہۡلِہِنَّ'' (النّساء:25)۔ ترجمہ:اور جو نہ رکھتا ہو تم میں سے قدرت اس بات کی کہ وہ نکاح کر سکے آزاد مومن عورتوں سے،تو(وہ نکاح کرے)اس سے جس کے مالک ہوئے تمہارے داہنے ہاتھ(یعنی لونڈی) تمہاری خدمتگار ایمان والی،تم سب ایک دوسرے میں سے ہو،سو نکاح کروان سے اجازت سے ان کے مالکوں کی(یعنی اگر وہ کسی دوسرے کی ملکیت میں ہو)۔مزید سورۃ النّور میں نادار آزاد مجرد مرد اور عورتوں کے ساتھ ساتھ غلاموں اور لونڈیوں کا نکاح کرنے کی بھی ترغیب دی''وَ اَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ وَ الصّٰلِحِیۡنَ مِنۡ عِبَادِکُمۡ وَ اِمَآئِکُمۡ ؕ اِنۡ یَّکُوۡنُوۡا فُقَرَآءَ یُغۡنِہِمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ۔'' (النور:32)۔ترجمہ:اور نکاح کر دیا کرو مجرد مرد اور عورتوں کا جو تم میں سے ہوں(یعنی جو آزاد ہوں)اور اپنے باصلاحیت غلاموں اور لونڈیوں کا،اگر ہوں گے یہ مفلس تو غنی کر دے گا اللہ اپنے فضل سے، اور اللہ ہے بڑی وسعتوں کا مالک،سب کچھ جاننے والا۔

قرآن پاک میں جتنے بھی احکامات غلام اور لونڈیوں کے بارے میں ہیں وہ سب انہی کے بارے میں ہیں جو اس وقت لونڈی اور غلام تھے۔یعنی وہ غلام اور لونڈیاں جو ظہورِاسلام کے وقت عربوں کے معاشرے میں موجود تھے۔وَمَامَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ یعنی جنکے تم مالک ہوئے۔کہیں پر یہ نہیں لکھا کہ جن کے تم آئندہ مالک بنو گے۔یہ تدریجی طریق کار تھا پہلے سے موجود غلام اور لونڈیوں کو آزاد کرانے کا جو اوپر بیان ہو چکا۔

پھر دوسرے مرحلے پر آئندہ کے لئے غلامی کا درازہ بند کرنا تھا۔تو اس کے لئے قرآن نے ایسی فصاحت سے حکم دے دیا کہ اس میں کسی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔زمانہ جاہلیت میں جنگی قیدیوں کو غلام بنالیا جاتا تھا اور بعد میں ان کو فروخت بھی کر دیا جاتا تھا۔بعض اوقات بچوں کو چرا کر فروخت کر دیا جاتا تھا جو آخر کار لونڈی اور غلام ہی بنتے تھے۔یہی دو طریقے تھے غلام بنانے کے۔بچوں کو چرانا اور فروخت کرنا تو ایسا بھیانک جرم تھا کہ اسلام اس کی اجازت کیوں کر دے سکتا تھا۔ویسے بھی اسلام میں عام اشیا

کی چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا رکھی گئی تھی پھر یہ کیوں کر ممکن ہو سکتا تھا کہ اسلام انسانی بچوں کی چوری اور ان کی فروخت کی اجازت دیتا۔ دوسرا اور بڑا طریقہ غلام بنانے کا جنگی قیدیوں والا تھا تو اس کے بارے میں سورۃ محمدؐ میں ارشاد فرمادیا گیا کہ ''فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِینَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ، حَتّٰی اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ، فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً، حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا'' (محمدؐ:4)۔ترجمہ: پھر جب مقابلہ ہو تمہارا ان لوگوں سے جو کافر ہیں تو انکی گردنیں اڑاؤ، یہاں تک کہ جب کچل دو تم انہیں تو مضبوط باندھو (قیدیوں کو) پھر اس کے بعد یا تو بطورِ احسان یا فدیہ لے کر (چھوڑ دو) یہاں تک کہ جنگ ختم ہو جائے۔

سارے قرآنِ پاک میں اسیران جنگ کے متعلق یہی ایک حکم ہے اور اس حکم سے کوئی شائبہ تک بھی نہیں نکلتا کہ جنگی قیدیوں کو گرفتار کرکے چاہے تو ان کی عورتوں کے ساتھ جنسی تمتع کرواور انکے مردوں سے بیگار لو اور اگر چاہو تو انہیں بھیڑ بکریوں کی طرح آگے فروخت کردو تاکہ ان کے خریدار پھر آگے ان سے یہی کام لیتے رہیں اور یہ سلسلہ نسل در نسل آگے بڑھتا رہے۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ حضور ﷺ کی اپنی زندگی میں ہی اس غلامی کی جڑ کٹ چکی تھی۔ اور مدینہ اور مکہ کے قرب و جوار میں مندرجہ بالا تدریجی طریقہ سے سارے غلام آزاد ہو چکے تھے جس کی دلیل خطبہ حَجۃُ الوداع ہے جس میں آپ ﷺ کی ذات گرامی نے گورے اور کالے، عجمی اور عربی، آقا و غلام کے سارے امتیاز ختم کر دیئے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کے بعد بھی کوئی غلام غلام رہ گیا ہو۔ اور پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلمانوں کے اپنے ہاں تو غلام بنائے جاتے ہوں اور وہ نکلیں دنیا کو غلامی سے آزادی دلانے کے لئے۔

تیسرا مرحلہ مسلمانوں کے لئے دنیا سے غلامی کا خاتمہ کرنا تھا جو انقلابی اور حربی تھا۔ مکہ اور مدینہ سے بالخصوص اور سارے عرب میں بالعموم باہر کی دنیا میں بھی اس غلامی کو ختم کرنے کے لئے پیش قدمی کی اور غلامی میں جکڑے ہوئے لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کو قیصر و کسریٰ کی غلامی سے رہائی دلوا کر اللہ کی غلامی میں داخل کیا۔

11۔ مَامَلَکَتْ اَیمَانُکُمْ

یہ ایک قرآنی اصطلاح ہے جو قرآن پاک میں بار بار کہیں پر مَامَلَکَتْ اَیمَانُکُمْ اور کہیں پر مَامَلَکَتْ اَیمَانُهُم اور کہیں پر مَامَلَکَتْ اَیمَانُهُنَّ کے طور پر استعمال ہوئی ہے۔، جس کے لفظی معنی ہیں ''جن کے مالک تمہارے یا انکے دائیں ہاتھ ہوئے''۔ اسی جملہ کو لوگ غلامی کے حق میں بطور سند کے پیش کرتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ دیکھا جائے کہ یہ

اصطلاحی جملہ قرآن پاک میں کن معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ذیل میں اس سلسلے میں قرآنِ پاک سے ان مقامات کی نشان دہی کرنے کی ایک کوشش کی گئی ہے۔

1۔وہ لوگ جو کسی کی ماتحتی میں((Subordinatesکام کر رہے ہوں۔جو کسی کی سکیم کو بروئے کار لانے کے لئے، اس کی ہدایت میں کام کریں۔گھر کے ملازم وغیرہ بھی اسی ضمن میں آتے ہیں۔مثلاً"وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِیْلِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنْ کَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا" (النساء:36)۔ترجمہ:اور بندگی کرو اللہ کی اور نہ شریک بناؤ اسکا(کسی کو)ذرا بھی،اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو،اور رشتہ داروں،یتیموں،مسکینوں،رشتہ دار ہمسایوں،بیگانہ ہمسایوں،پاس کے اٹھنے بیٹھنے والوں،مسافروں اور تمہارے ماتحت کام کرنے والوں کے ساتھ بھی(حسنِ سلوک کرو)۔بے شک اللہ نہیں پسند کرتا ان لوگوں کو جو ہوں مغرور اور شیخی بگھارنے والے۔"وَاللّٰہُ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ عَلٰی بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ فَمَا الَّذِیْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِہِمْ عَلٰی مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُہُمْ فَہُمْ فِیْہِ سَوَآءٌ اَفَبِنِعْمَۃِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ" (النحل:71)۔ترجمہ:اور اللہ نے فضیلت دی ہے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں،سو نہیں ہیں وہ لوگ جنہیں فضیلت دی گئی ہے(ایسے)کہ دے دیں اپنا رزق اپنے ماتحت لوگوں کو تاکہ ہو جائیں وہ بھی اس میں برابر کے(حصہ دار)،تو کیا پھر اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں یہ۔سورۃ النّور کی آیت نمبر 31 میں"اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُنَّ" کا مطلب بھی گھریلو خادمائیں ہیں۔اسی سورہ کی آیت نمبر58میں"اَلَّذِیْنَ مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ" کا مطلب بھی گھریلو ملازمین ہیں۔سورہ روم کی آیت نمبر28میں"مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ" میں بھی ایسے ہی ذاتی ملازمین شامل ہیں۔

2۔یہ جملہ ان عورتوں کے لئے بھی بولا گیا ہے جو نکاح میں آچکی ہوں۔مثلاً سورہ احزاب کی آیت نمبر 52 میں"مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ" ان بیبیوں کے لئے ہے جو حضور ﷺ کے نکاح میں آچکی تھیں۔اسی طرح سورہ النساء میں جہاں محرمات کی فہرست گنوانے کے بعد کہا ہے کہ"وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ"۔تو اس میں اگر اَلْمُحْصَنٰتُ کے معنی پاکدامن عورتیں لی جائیں تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ تم پر تمام پاکدامن عورتیں حرام ہیں بجز انکے جو تمہارے نکاح میں آجائیں۔اور اگر اَلْمُحْصَنٰتُ کا مطلب شوہر دار عورتیں کیا جائے تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ تم پر تمام شوہر دار عورتیں حرام ہیں بجز ان لونڈیوں کے

جو اس سے پہلے تمہارے پاس آچکیں اگرچہ ان کے پہلے شوہر کہیں اور موجود ہوں۔ سورہ المتحنہ میں ہے کہ اگر کفارِ مکہ کی مومن عورتیں تمہاری طرف آجائیں تو انہیں کافروں کی طرف مت لوٹاؤ۔ صرف ان کا خرچ کیا ہوا مال انہیں دے دو، اوران سے نکاح کرلو۔ یہ وہ شوہر دار عورتیں ہیں جن سے ان کے شوہروں کے ہوتے ہوئے نکاح کرنے کی اجازت دی گئی۔ان کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے اس لئے اس کو دوبارہ دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پس سورہ النّساء کی آیت نمبر 24 میں ''اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ'' سے مراد یہ عورتیں بھی ہوسکتی ہیں جن سے اس طرح نکاح کیا گیا تھا۔

3۔ ''مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ'' لونڈیوں کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔مثلاً سورہ المومنون کی آیت نمبر 6، سورہ الاحزاب کی آیت نمبر 50 اور سورہ المعارج کی آیت نمبر 30 میں ''مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ'' کا جملہ لونڈیوں کے معنوں میں ہی استعمال ہوا ہے۔ لیکن جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے عرب معاشرے میں غلام اور لونڈیوں کا عام رواج تھا۔جب یہ لوگ مسلمان ہوئے تو لونڈیاں جو ان کے رواج کے مطابق ان کے گھروں میں موجود تھیں اسی طرح ان کے گھروں میں رہیں۔اگر ان لونڈیوں کو گھروں سے نکال دیا جاتا تو اس معاشرہ میں بڑی خرابیاں پیدا ہو جاتیں۔اس لئے ان کو علیٰ حالہ رہنے دیا گیا۔قرآن کریم نے ان لونڈیوں کے لئے بھی ''مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ'' کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

یہ غلام اور لونڈیاں جنگی قیدی ہوتے تھے۔ سورۃ محمدؐ میں انکو غلام اور لونڈیاں بنانا بند کر دیا گیا جیسا کہ پہلے وضاحت کی جاچکی ہے۔ جنگی قیدیوں کو غلام بنانے کا رواج ختم ہو گیا اور اس طرح غلامی کے دروازے کو یکسر بند کر دیا گیا۔ کسی انسان کو خرید کر غلام بنانے کا تصور ہی اسلام کی روح کے منافی ہے جو شرف و تکریمِ آدمیت کا علمبردار ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر 70 میں ارشاد ہوتا ہے اور بے شک ہم نے بڑی عزت دی بنی آدم کو ''وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ'' اور سورۃ آلِ عمران کی آیت نمبر 79 میں ہے کہ نہیں زیب دیتا کسی انسان کو کہ جس کو دی ہو اللہ نے کتاب، حکمت اور نبوت پھر وہ کہے لوگوں کو کہ بن جاؤ تم میرے بندے اللہ کو چھوڑ کر بلکہ (وہ تو یہی کہے گا) کہ بن جاؤ تم اللہ والے کیونکہ تم تعلیم دیتے ہو کتابِ الٰہی کی اور اس بناپر بھی کہ تم خود بھی پڑھتے ہو کتاب اللہ کو۔ارشاد ہوتا ہے ''مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ'' اتنے واضح احکامات کی روشنی میں اسلام یقیناً کسی انسان کو یہ حق ہر گز نہیں دے سکتا کہ وہ دوسروں کو غلام بنا کر ان پر اپنا حکم چلائے۔ تصریحاتِ بالا سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ

قرآنِ کریم میں جہاں جہاں ''مَامَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ'' کا جملہ لونڈیوں کے لئے آیا ہے، وہاں پر وہی لونڈیاں مراد ہیں جو نزولِ قرآن کے وقت عرب معاشرے میں موجود تھیں۔ان لونڈیوں کو آہستہ آہستہ آزاد معاشرے کا جزء بنالیا گیااور نئی لونڈیاں بنانے کا سلسلہ از روئے قرآن ختم ہو گیا۔لہٰذااب مسلمانوں کے ہاں لونڈیوں کا کوئی سوال ہی نہیں باقی نہیں رہا (ماخذ از لُغَاتُ القُرآن)۔

12۔حرفِ اَنّٰی کی تحقیق

اس لفظ کی تحقیق ویسے تو نکاح کے حوالے سے کچھ دوراز کار معلوم ہوتی ہے مگر اس کا تعلق مرد وزن کی ازدواجی زندگی سے بنتا ہے جو نکاح کا ہی نتیجہ ہوتا ہے اوراس سلسلہ میں ہماری بہت سی کتب کے اندر بلکہ بہت سے تراجم میں بھی حرفِ اَنّٰی کے غلط ترجموں اور تشریحات نے بڑی غلط فہمیاں پھیلائی ہیں۔یہ غلط فہمیاں سورہ البقرہ کی آیت نمبر 223 کے شانِ نزول کے سلسلہ میں پھیلائی گئیں۔اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس حرف کی تحقیق کرلی جائے تاکہ مذکورہ آیت مبارکہ کا صحیح مفہوم ہمارے ذہن میں آسکے۔قرآنِ پاک میں حرفِ اَنّٰی زماں و مکاں دونوں کے لحاظ سے کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ان کی مثالیں نیچے دی جارہی ہیں۔

1۔ یہ مَتٰی یعنی اب، کب یا جب کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔مثلاً سورہ الفجر کی آیت نمبر 23 میں ہے وَ اَنّٰی لَهُ الذِّكْرٰى: مگر اب کیا (حاصل) اس کے سمجھنے کا! یعنی اس کے سمجھنے کا وقت گذر چکا۔

2۔ یہ کَیْفَ یعنی کس طرح یا کیونکر کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے سورہ مریم کی آیت نمبر 8 اور سورہ اٰلِ عمران کی آیت نمبر 40 میں ہے کہ۔"قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ غُلَامٌ: اور (حضرت ذکریا علیہ السلام نے) عرض کیا کہ اے میرے پرودگار! کس طرح یا کیوں کر ہوگا میرے ہاں لڑکا۔یہاں بعضوں نے اس کا ترجمہ یوں بھی کیا ہے کہ کب (مَتٰی) ہوگا میرے ہاں لڑکا۔

3۔ یہ مِنْ اَیْنَ یعنی کہاں سے کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔مثلاً سورہ اٰلِ عمران کی آیت نمبر 36 میں ہے کہ "قَالَ یٰمَرْیَمُ اَنّٰی لَكِ هٰذَا: کہا (حضرت ذکریا علیہ السلام نے) اے مریم! کہاں سے آیا تیرے پاس یہ۔

4۔ سورہ الانعام کی آیت نمبر 95 میں اَنّٰی کدھر یا کہاں کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ: پھر تم کدھر بہکے جارہے ہو۔

اب آیئے اصل موضوع کی طرف، سورہ البقرہ کی آیت نمبر 223 میں ارشاد ہوتا ہے کہ "نِسَآئُکُمۡ حَرۡثٌ لَّکُمۡ فَاۡتُوۡ حَرۡثَکُمۡ اَنّٰی شِئۡتُمۡ": اس آیت کے بارے میں مختلف تراجم اور تفاسیر ملاحظہ فرمانے سے پہلے ذرااس کے سباق وسیاق پر غور کریں کہ اس سے پہلے والی آیت کا موضوع حیض اور اس سے پاکی کا تھا۔اس آیت میں حکم دیا گیا تھا کہ حیض کے دنوں میں اپنی بیویوں کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ حیض سے پاک ہو جائیں اور جب وہ حیض سے پاک ہو جائیں جب مرضی چلے جاؤ۔اب اس آیت کا سباق و سیاق بتارہا ہے کہ یہ آیت زماں کے بارے میں ہے نہ کہ مکاں کے بارے میں یعنی یہاں پر اس کے معنی (مَتٰی)یعنی' جب' کے ہوں گے۔ضحاک نے بھی اس کے معنی 'جب' ہی کے لئے ہیں، یعنی کہ جب جی چاہو جاؤ ۔ابنِ عباسؓ نے بھی اس کے معنی 'جب' کے ہی لئے ہیں، ان کے مطابق اس کا مطلب ہے دن جاؤ رات جاؤ۔صاحب تاج العروس نے بھی اس کے معنوں میں 'جب' کو ہی شامل کیا ہے۔علامہ غلام احمد پرویز نے مطالب الفرقان میں نے یہاں اَنّٰی کے معنی "جب" کے ہی لئے ہیں۔مرزاابوالفضل نے ابو حیان کے حوالے سے غریب القرآن میں اس کے معنی اگر کے لئے ہیں، یعنی اگر تم چاہو۔یہ معنی بھی سباق وسیاق کے حوالے صحیح معلوم ہوتے ہیں اور جو اپنے اندر کچھ نہ کچھ زمانی مفہوم رکھتے ہیں۔ بات بڑی سادہ تھی کہ حیض کے دنوں میں اپنی بیویوں کے پاس نہ جاؤ اور جب وہ حیض سے پاک ہو جائیں تو جس وقت یا جب مرضی جاؤ لیکن ہمارے ہاں اس سادہ سی بات کو بھی الجھا کر رکھ دیا گیا ہے۔

ہمارے بہت سارے مفسرین اور مترجمین نے یہاں پر اَنّٰی کے معنی کَیۡفَ کے لئے ہیں، یعنی جس طرح یا جیسے چاہو جاؤ۔حالانکہ موقع کی مناسبت سے یہ معنی ٹھیک نہیں ہیں۔کیوں کہ موقع تو یہی کہ رہا ہے کہ اس کے معنی 'جب' کے ہی ہوں گے۔ یعنی پاکی کے بعد جب چاہو ان کے پاس آؤ ۔جس طرح اور جیسے' مکانی نہ سہی امکانی ترجمے ہیں جو ابہام پیدا کرتے ہیں زماں اور مکاں کے درمیان، یعنی جب چاہو بھی معنی ہو سکتے ہیں اور جہاں سے چاہو بھی اس کے معنی ہو سکتے ہیں۔ان ترجموں سے مراد کچھ بھی لیا جا سکتا ہے، جیسا کہ بہت سے لوگوں نے لیا۔گو ان مفسرین نے اس بات کی وضاحت کر دی کہ جگہ تو ایک ہی ہے مگر اس جگہ جانے کا طریقہ مختلف ہو سکتا ہے اور اس سلسلے میں بہت سی اسرائیلی روایات کا ذکر بھی کر ڈالا جو اس آیت کا شان نزول بنیں۔'جس طرح اور جیسے' کے ترجمے مولانا مودودیؒ، مولانا امین احسن اصلاحیؒ، حضرت پیر محمد کرم شاہؒ، عبداللہ چکڑالویؒ، اور ابن کثیرؒ وغیرہ نے کئے۔ چلو ابہام یا امکان کو چھوڑو ایک طرف، کچھ نے تو سیدھا سادھا مکانی ترجمہ کر دیا یعنی مِنۡ اَیۡنَ جہاں سے چاہو جاؤ ، گو ان مفسرین نے

اپنے ترجمے کی وضاحت کردی کہ ہمارا مقصد بھی وہی ہے جو اوپر والوں کا تھا یعنی راستہ ایک ہی ہے لیکن اس تک جانے کے طریقے مختلف ہو سکتے ہیں جو طریقہ مرضی اختیار کرلو۔یہ معنی تفسیر عثمانی، معارف القرآن اور تفسیر مظہری وغیرہ میں لئے گئے ہیں۔

سورہ البقرہ کی آیت نمبر 223 کے اگر صاف صاف معنی وقت کے لحاظ سے کئے جاتے یعنی جب اور جس وقت چاہو تم اپنی بیبیوں کے پاس جاسکتے ہو تو یہ معنی اس سے اوپر والی آیت کے ساتھ بالکل مطابقت رکھتے تھے یعنی حیض سے پاک ہونے کے بعد تم جب اور جس وقت چاہو اپنی بیبیوں کے پاس جاؤ تو اس سے کوئی ابہام ہی پیدا نہ ہوتا۔نہ یہاں پر شان نزول بیان کرنے کی ضرورت پیش آتی اور نہ واہیات تشریحات پیش کرنی پڑتیں جو ہماری تفاسیر کا حصہ بنیں۔ان واہیات تشریحات کو ایسی کسی بھی تفسیر میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے جو ان روایات کی بنیاد پر معرض وجود میں آئی ہو۔

13۔حوالہ جات

الف۔اردو تراجم اور تفاسیر

1۔القرآن کریم اردو ترجمہ و تفسیر، شاہ فہد پرنٹنگ کمپلیکس
2۔البیان از جاوید احمد غامدی
3۔تفسیر عثمانی معہ اضافات از مولانا محمد ولی رازی
4۔تدبر القرآن از مولانا امین احسن اصلاحیؒ
5۔تفسیر مظہری از قاضی محمد ثناءاللہؒ پانی پتی
6۔تفسیر کمالین و جلالین ترجمہ و شرح مولانا محمد نعیم دیوبندی
7۔تفسیر ابن کثیر ترجمہ خطیب الہند مولانا محمد جوناگڑھی
8۔تفسیر القرآن باالقرآن از عبداللہ چکڑالوی
9۔تفسیر احسن الکلام از حافظ صلاح الدین، مولانا محمد عبدالجبار
10۔تفہیم القرآن از مولانا ابوالاعلیٰ مودودی
11۔تفسیر ضیاالقرآن از پیر محمد کرم شاہ
12۔مطالب الفرقان از علامہ غلام احمد پرویز
13۔معارف القرآن از حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ
14۔قرآن آسان اردو از سید شبیر احمد
15 ۔قرآن کریم اردو ترجمہ از مولانا فتح محمد جالندھری
16۔لغات القرآن از علامہ غلام احمد پرویز

ب۔انگریزی تراجم اور تفاسیر

1.The Glorious Quran by Abdullah Yousf Ali
2.Meanings of the Holy Qur'an by Marmaduke Pickthal

3.The Message of The Quran by Muhammad Asad

4.The Noble Quran by Dr Muhammad Mohsn Khan and Dr Taqi-ud-Din Al-Hilali

5.Color-code Arabic English Translation by Hafiz Khan

6.Quran - A Reformist Translation by Edip Yuksel, L.S. al-Shaiban & M.S.Nafeh

ج۔کتابیات

1۔میزان از جاوید احمد غامدی

2۔غلام اور لونڈیاں از غلام احمد پرویز

3۔ جمعُ القرآن از علامہ تمنا عمادی

4۔نکاح اور طلاق از یونس شہید

5۔نکاح طلاق حلالہ از کرنل (رڈ) عمر شبیر

6۔الطّلاق مرّتٰن از علامہ تمنا عمادی

7۔طاہرہ کے نام از غلام احمد پرویز

8۔ نکاح و طلاق از محمد اکبر اللہ والے، مظفر گڑھ